قرآن و سنت اور اسلافِ اُمت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

VOLUME:19 ISSUE:1 JANUARY 2026

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

تحت الاشرف ٹرسٹ

https://ashrafululoomhyd.com/ashraful-jaraid

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن



رشتہ داروں کے حقوق کے معاملے میں اللہ سے ڈریں

از: مولانا شیخ عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ

(الرعد:۲۱)

ترجمہ: جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، یہ لوگ انہیں جوڑے رکھتے ہیں، اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کے بُرے انجام سے خوف کھاتے ہیں۔

تشریح: آیت مذکورہ میں عقلمندوں کے ایک وصف خاص ''صلہ رحمی'' کو ذکر کیا گیا ہے ''صلہ'' جوڑنے کو ''رحم'' رشتہ داری کو کہتے ہیں، اس کی ضد ''قطع رحم'' ہے۔۔۔صلہ رحمی رشتوں کے تقاضوں کو پورا کرنا اور قطع رحمی رشتوں کے تقدس کو پامال کرنا ہوتا ہے، صلہ رحمی کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے یہی کافی ہے کہ ''رحم'' مشتق ہے لفظ ''رحمن'' سے، حدیث میں ہے ان الرحم شجنة من الرحمن (الحدیث) ''رحم'' رحمٰن سے نکلا ہے یعنی رحمٰن کی رحمت کے شاخوں میں سے ایک شاخ ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک من وصلک وصلته ومن قطعک قطعته (البخاری) جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اس کو توڑوں گا، ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے رشتہ داری کی اہمیت کو بڑی تاکیدانہ انداز میں ارشاد فرمایا: انا اللہ و انا الرحمن، خلقت الرحم و شققت لها من اسمی فمن وصلها وصلته ومن قطعها بتته (ابوداؤد) میں اللہ ہوں۔۔۔میں رحمٰن ہوں، میں نے رشتہ، قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو ''رحم'' نام دیا ہے پس جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور اس کو توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں تخلیق انسانیت کا نظام ہی کچھ ایسا بنا ہوا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا رشتوں کے بندھن میں بندھا پیدا ہوتا ہے پھر ان رشتوں کے کچھ فطری تقاضے اور حقوق ہوتے ہیں جن کا عنوان اللہ نے

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر، حیدرآباد

''رحم'' مقرر کیا ہے جو اس کے نام پاک ''رحمن'' سے گویا مشتق ہے پس جو بندہ انسان کی فطرت میں رکھے ہوئے اور اللہ کے مقرر کئے ہوئے ان حقوق اور تقاضوں کو ادا کرے گا (یعنی صلہ رحمی کرے گا) اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے وہ اس کو جوڑے گا (یعنی اس کو اپنا بنا لے گا اور فضل وکرم سے نوازے گا) اور اس کے برعکس جو قطع رحمی کا رویہ اختیار کریگا اور قرابت کے ان حقوق کو پامال کرے گا جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ دے گا یعنی اپنے قرب اور اپنی رحمت وکرم سے محروم کردے گا۔ (مستفاد از معارف الحدیث)

صلہ رحمی کے کئی طریقے ہیں جو دراصل رشتہ داری کے تقاضے ہیں، رشتہ داروں سے تعلق جوڑنا، حسن سلوک کرنا، مالی گنجائش ہو تو ان کی معاونت کرنا، ان سے ملاقات کے لئے وقت نکال کر جانا، بہتر تعلقات کو استوار رکھنے کی کوشش کرنا، ان کے حوالہ سے اپنے دل میں ہمدردی، خیر خواہی کا جذبہ رکھنا۔

قرآن مجید میں جہاں اللہ نے اپنے حق کے بعد والدین کے حق کو بیان فرمایا متعدد مقامات پر اس کے ساتھ ساتھ رشتہ داروں کے حقوق کو بڑی اہمیت کے ساتھ واضح فرمایا ہے: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الروم: ۳۸) جو اللہ کی رضا کے طلب گار ہیں ان کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ اہل قرابت کے حق کو ادا کرے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اس سے معلوم ہوا کے فلاح کا دارومدار رضائے خداوندی کی نیت سے اہل قرابت کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔

آج معاشرہ میں بہت سی اخلاقی وروحانی ناسور پیدا ہو چکے ہیں ان میں سے ایک قطع رحمی بھی ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر خونی رشتوں کا تقدس پامال کردیا جاتا ہے، قطع کلامی کا سلسلہ برسوں سے جاری ہے، ملاقات تو دور کی بات دیکھنا، سامنا کرنا تک گوارا نہیں ہے، بعض ناخلف اولاد کی سنگدلی کا عالم یہ ہے کہ اپنے بوڑھے ماں باپ سے محض چند ٹکوں اور جائیداد کے ٹکڑوں یا ان کی پیرانہ سالی کے مخصوص مزاج کے سبب دوری بنائے ہوئے ہیں اپنے ''انا'' کی خاطر اخلاقی اقدار کی ہر حد کو پار کرنے تیار ہے۔ العیاذ باللہ

آج ہم جس کرب والم کے شکار ہیں اور جن ناگفتہ بہ حالات سے جوج رہے ہیں، چہار سو ذلت ورسوائی ہے وہ دراصل رحمٰن ورحیم ذات کی رحمت وعنایت سے محرومی کا منظر ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم رشتہ داروں کے حقوق کے معاملے میں اپنے ظرف کو کشادہ رکھیں، اپنے پہلو کو جھکانے کا جذبہ پیدا کریں جو ہم سے کٹتا ہے اس کو اپنے سینہ لگائیں، سلام میں پہل کریں، تعلقات بحال کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں، یہی صلہ رحمی ہے اور یہی صفت رحمت خداوندی کو کشید کرنے والی ہے، اللہ پاک ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

درسِ حدیث



آسانی پیدا کرو، تنگی نہیں

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالکٍ رضی اللہ عنہ قال: قال النبیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَسِّرُوا ولا تُعَسِّرُوا، وسَكِّنُوْا وَلاَ تُنَفِّرُوا۔ (بخاری:6125)

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آسانی پیدا کرو، تنگی نہ پیدا کرو، تسلی وتشفی کی بات کرو، اور نفرت نہ دلواؤ۔

تشریح: انسانوں کو عدم سے وجود بخشنے والے خالق جل وعلا نے فطرتِ انسانی میں جو چیزیں ودیعت فرمائی ہیں، ان میں ایک اہم ترین صفت (جس کا خود حق جل مجدہٗ نے اپنی ہدایات واحکامات میں بجا طور پر خیال فرمایا، اور جس کی جانب بالخصوص دُعاۃ ومبلغین اور مربیین ومصلحین کو باہتمام توجہ دینے کی ضرورت ہے) وہ انسانی طبیعت میں قبولیتِ حق اور تسلیمِ صدق کے سلسلے میں یسر وآسانی کا مفید ہونا، اور تنفّر وتوحّش والے اُسلوب کا مضر ہونا ہے، اشیاء اور چیزوں میں تضاد (یعنی دو مختلف پہلو) ہونا ایک عام سی بات ہے، تنگی اور مشکل کے مقابلے آسانی، نذارت کے برعکس بشارت، اور نفرت وعداوت پیدا کرنے والے انداز واسلوب کے بالمقابل محبت و پیار کے قابلِ قبول اور انسانی طبیعت وفطرت کو مائل کرنے والے طور وطریقے بھی ہیں، اسی وجہ سے قرآن پاک میں متعدد جگہ حق تعالیٰ نے اس اہم پہلو کی طرف اپنے بندوں کی توجہ مبذول فرمائی ہے؛ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، وہ تمہارے لئے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ (سورۃ بقرہ:182) اس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ (سورۃ الحج:78) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے؛ اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (سورۃ النساء:28) معلوم ہوا کہ تعلیم وتربیت کا بنیادی اصول اپنے زیرِ سایہ اور ماتحت لوگوں (بچے، طلبہ وغیرہ) پر سختی اور شدّت کے بجائے نرمی اور آسانی کا پہلو ملحوظ رکھنا ہے، اس سے قربت ونزدیکی اور مانوسیت ومحبت پیدا ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں حق وصدق کی

* استاذ حدیث وفقہ ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

قبولیت کی طرف ذہن و دماغ آمادہ اور تیار ہوجاتے ہیں، اور بننے سدھرنے اور سنورنے کی توقع اور امید کافی حد تک بندھ جاتی ہے، اس کے مقابلے میں شدّت و سختی، سخت وسُست الفاظ بلکہ توہین آمیز انداز ماتحتوں کو نہ صرف اعراض؛ بلکہ انکار و بغاوت تک لے جاتا ہے، جو سرپرست و ماتحت دونوں کے حق میں ہر اعتبار سے مُضر اور نقصان دہ چیزیں ہیں۔

زیرِ نظر حدیث شریف میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واعظین ومبلغین اور مصلحین ومقررین کو اپنے وعظ ونصیحت اور نکیر واصلاح میں ایسے ہی پُرکشش وجاذب نظر اسلوب کو اختیار کرنے کی طرف راغب فرمارہے ہیں؛ کہ تم لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو، اور بات اس حکم وہدایت پر ختم نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ فرماتے ہیں: کہ مشکلات و سختیاں مت پیدا کرو، سکون پہنچاؤ، اور لوگوں کو بدکاؤ نہیں۔

معلوم ہوا کہ تعلیم وتربیت اور وعظ ونصیحت کے وقت لوگوں کو بدکنے گھبرانے اور پریشان وبوجھل ہونے سے بچانے کے لیے حسبِ ضرورت وموقعہ مناسب یُسر آسانی اور تسکین وتبشیر سے کام لینا چاہیے، اور اس چیز کا لحاظ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح فرماتے تھے؛ آپ کے مجموعۂ سیرت میں اس حوالہ سے سینکڑوں واقعات میں سے ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے؛ کہ مزاجِ نبوت میں کس قدر تحمل و برداشت اور یُسر وسہولت کا مادّہ تھا، صحیح بخاری کی ہی روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ایک دیہاتی شخص مسجد نبوی میں آیا، اور پیشاب کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کو مسجد میں پیشاب کرتے ہوئے دیکھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منع کرنے کی غرض سے اس کی طرف دوڑے؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے پیشاب کو مت روکو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا ڈول منگوایا، اور وہ پیشاب کی جگہ پر بہادیا گیا۔ (بخاری:6025) اور دوسری حدیث میں اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: کیونکہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے، تنگی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ (بخاری:6128) ایک انتہائی ناگوار ونامناسب؛ بلکہ ناجائز وحرام عمل کے ارتکاب میں یُسر وآسانی کے پہلو کا اتنا لحاظ ہے تو غور کیا جاسکتا ہے کہ مثبت امور کی تعلیم وتربیت میں مذکورہ پہلو کا کتنا احساس ولحاظ رہتا ہوگا اس لیے ہر نگران ومربی کو اپنے زیرِ سایہ ماتحت اشخاص وافراد کی بہتر ذہن سازی اور ان کی تعلیم وتربیت میں تفہیم وتسہیل کا مناسب انداز واسلوب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ واضح رہے کہ یسر آسانی اور بشارت وخوشخبری کا مذکورہ انداز ابتداءً یا موقعہ اور مخاطب کے احوال کے مدِ نظر مناسب ہی نہیں؛ بلکہ ضروری ہے، لیکن بسا اوقات زجر وتوبیخ اور تنبیہ وتشدید بھی اصلاح وتربیت کے حوالے سے ضروری ہوتی ہے؛ لہٰذا ہر مربی وذمہ دار کو احوال کے پیشِ نظر مناسب پہلو اختیار کر لینا چاہیے؛ کہ یہی حکمت وموعظت اور سنت وسیرت کا تقاضہ ہے، اسی سے انذار واصلاح کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔

پیش گُفتار

نسلِ نو کے دین وایمان کی حفاظت کیسے ہو؟

از: مدیر

مخدومی ومرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب دامت برکاتہم کا یہ خطاب ۲۰؍ نومبر ۲۰۲۴ء کو مسجدِ کوثر گوداوری کھنی، ضلع پداپلی میں ''نسل نَو کے دین وایمان کی حفاظت اور ہماری ذمہ داریوں'' کے موضع پر جلسہ عام سے ہوا، جسے اُس وقت محفوظ کرلیا گیا تھا، بعد میں عزیز محترم مولانا سید عرفان قاسمی امام وخطیب مسجد کوثر گوداوری کھنی نے اپنی فکرو جستجو اور دل چسپی و سلیقہ مندی سے افادۂ عام کے لئے مرتب کیا اور اس ماہ ادارتی صفحات پر وہی خطاب قارئین اشرف الجرائد کے لئے بھی پیش ہے، اللہ پاک ان کی اس وقیع کاوش ومحنت کو شرف قبول اور نفعِ عام کا سبب بنائے۔ از: مرتب غفرلہٗ

(۲)

موہن بھاگوت جی کا بیان

آزادی کے بعد سے برابر یہ کام چل رہا ہے، اِس کا ایک پسِ منظر ہے، جو اس ملک میں رہنے والوں کو جاننا چاہیے، سوشل میڈیا میں آپ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کی جاتی ہیں، قرآن کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں، انتخابی تقریروں کے بیچ میں نبی کو، قرآن کو، مسئلہ تین طلاق کو، مسلم پرسنل لا کو وقف کے مسائل کو، پاکستان کو جولایا جاتا ہے اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی نظریہ کام کررہا ہے، وہ یہ ہے کہ ملک میں مسلمان خوفزدہ ہوکر چھوٹے بن کر، ماتحت اور غلام بن کر رہیں، اپنی تعداد کو زیادہ ظاہر نہ کریں، یہ ٹوپیاں، داڑھیاں اور شناخت ختم کریں، اپنے مذہب کو نمایاں نہ کریں، آپ نے غور کیا کہ ملک کی یہ

خاص ذہنیت ایسا کیوں چاہتی ہے؟اس لیے چاہتی ہے کہ پوری کوشش کے باوجود وہ اس ملک سے مسلمانوں کو نہیں نکال سکی، اب اس ملک میں مسلمانوں کی اتنی بڑی طاقت ہوگئی کہ نہ بھگا سکتے ہیں، نہ نکال سکتے ہیں، نہ زمین کے نیچے ڈھکیل سکتے ہیں، نہ سمندر میں ڈبو سکتے ہیں،کیا کریں گے ۲۴ / ۲۵ کروڑ کو؟ کچھ بھی نہیں کر سکتے، اب ایک ہی شکل ان کے پاس رہ جاتی ہے، وہ یہ کہ مسلمان یہیں رہیں مگر ماتحت ومحتاج بن کر رہیں، بڑائی تو کیا برابری بھی نہ جتلائیں۔

بار بار موہن بھاگوت جی کی پریس کانفرنس میں بیان آتا رہتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ہمارے بھائی ہیں، ہمارا ہی خون ہیں، کسی وجہ سے ان کے باپ داداؤں نے دھرم بدل لیا تھا، اب بھی ہمارے مسلمان بھائی یا بہن اپنے آبائی ہندو دھرم میں آنا چاہیں تو خوشی سے آجائیں، دروازہ کھلا ہے، ہم انہیں اپنانے کے لیے تیار ہیں، اگر نہیں آنا چاہ رہے ہیں تو ان کی مرضی ہے نہ آئیں، مگر اپنی بڑائی نہ جتائیں، بالا دستی نہ دکھائیں، ماتحت بن کے رہنے کے لیے تیار ہو جائیں، یہ بات انہوں نے حالیہ عرصے میں کتنے ہی بار کہی ہے، پریس کانفرنسوں میں کہی ہے، اب بھی اُن کے بیانات تلاش کئے جائیں تو انٹرنیٹ پر مل جائیں گے۔

وہ کیا چاہتے ہیں؟

وہ لوگ چاہتے ہیں کہ پوری دنیا میں کم از کم ایک ملک تو ایسا ہونا چاہیے جہاں پر سب کچھ ہمارا ہو، ملک ہمارا، حکم ہمارا، قانون ہمارا، کلچر ہمارا، سرمایا ہمارا، سب کچھ ہمارا ہو، اس میں کوئی دوسرا شریک ہی نہ ہو یا پھر ہمارا دست نگر اور محتاج بن کر شریک ہو۔ ایسے متوقع ملک کا نام انہوں نے ہندو راشٹر رکھا ہے، اُن کا کہنا ہے کہ یہ سرزمین شروع ہی سے سناتن دھرم والوں کی ہے، اگر چہ اس پر مسلم فاتحین نے قبضہ کرلیا تھا، بعد میں انگریز آئے ،انہوں نے طاقت کے زور سے مسلمانوں سے تو ملک چھین لیا لیکن ہندوؤں کو پھر بھی نہیں ملا، انگریزوں نے عیسائی مذہب کے ساتھ ڈیڑھ سو سال حکومت کی، ملک کے اس مخصوص طبقے کو اس کا افسوس تو رہا لیکن انہوں نے انگریز سے مقابلہ کرنے اور ان کو ہرانے کا کبھی سوچا تک نہیں، ان سے آزادی کی جنگ لڑنے کی ہمت بھی نہیں کی، مسلم حکمرانوں کے سامنے دَب کے رہے، انگریزوں کے سامنے بھی دب کے رہے، آخری پچاس سالوں میں تو تمام ہندوستانی اقوام مسلمانوں کے ساتھ جنگ آزادی میں شریک ہوئیں، لیکن یہ مخصوص ذہنیت تب بھی شریک نہیں ہوئی، باقی سب لوگ مل کر لڑے اور ملک کو انگریزی اقتدار سے آزاد کرالیا، جب ملک آزاد ہوگیا تو اب یہ سامنے آئے اور ہندو راشٹر کا اپنا نظریہ لے کر آئے، اس تنگ نظری کو اس وقت کے سیکولر نظریئے نے

ٹھکرادیا اور جب اس کی سازشیں بڑھنے کا اندیشہ سامنے آیا تو خود ان کے محبوب لیڈر سردار پٹیل نے اس پر پابندی لگادی تو کچھ دن کے لئے روپوش ہوگئے، کچھ دن کے بعد ناگ پور میں ایک خفیہ میٹنگ کی اور ایک منصوبہ بنا کر اندرخانہ خاموش اور مضبوط جدوجہد کا سلسلہ شروع کیا، تعلیمی میدان کو ہاتھ میں لے کر بہت ہی حکمت عملی اور خاموشی سے ایسا نظام چلایا کہ بچاس سال کے اندر اندر یہ ذہنیت ناقابلِ تسخیر قوت بن گئی، اس کے مخالفین کی اولاد بھی اس ذہنیت کی حامل اور مبلغ بن گئی، ہرفن کے ماہر اور ہر کام کے قابل لوگوں کی بڑی تعداد لے کر یہ ذہنیت جب دوبارہ منظر پر آئی تو سیکولر نظریہ یعنی کانگریس اور اس جیسی پارٹی اس کا مقابلہ نہ کرسکیں کیوں کہ وہ خود تنگ نظری کے مرض میں مبتلا ہوچکی تھی۔

آزادی کے بعد ملک میں دینی محنتیں

میں یہ عرض کررہا تھا کہ آزادی کے بعد سیاسی تنگ نظریوں نے تقسیم کی آزمائش سے علماء کو دوچار کردیا اور تقدیرِ الٰہی سے اُسے سہنا ہی پڑا تو اس کے بعد علماء کرام نے یہاں رہ جانے والے مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ کو ہر ضرورت سے بڑی ضرورت سمجھ کر اس کی جانب اپنے کو متوجہ کرلیا، تعلیمی، تبلیغی، اور خانقاہی طریقوں سے متحرک ہوگئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ ہمت ہار چکے اور دل توڑ چکے تھے، کچھ تو ہندوؤں کے ماتحت ہوجانے کو بھی تیار ہوگئے تھے، وہ دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوگئے، مسجدیں آباد ہوئیں، اذانیں گونجنے لگیں، علماء کی محنتوں سے ایسا ماحول بن گیا کہ ملک میں دیگر مذاہب کہاں کھوگئے معلوم نہیں، مگر اسلام ہر جگہ نظر آنے لگا، داڑھیوں سے، ٹوپیوں سے، اذانوں سے، میناروں سے، مسجدوں سے، عیدگاہوں سے، قبرستانوں سے، درگاہوں سے، تبلیغی محنت سے، مشائخ کی فکروں سے، مدارس ومکاتب سے بڑے بڑے جلسوں اور اجتماعات سے پورے ملک میں اسلام نظر آرہا تھا۔ مسلمان ٹرینوں میں، بسوں میں، ایئرپورٹ پر، کھیل کے میدانوں پر، سڑکوں پر، فٹ پاتھ پر، بلاخلل نماز ادا کرتے تھے، اسلام اور مسلمانوں کی اسی آزادی وکامیابی کو دیکھ کر ہندوراشٹر کا خواب دیکھنے والوں کا دل دُکھنے لگا اور اسلام اور مسلمانوں کی یہ آزادی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔

فرقہ پرستوں کو توحید سے تکلیف ہے

اب میں اپنے موضوع پر آتا ہوں، وہ خاص آئیڈیالوجی جو اس ملک میں اسلام کو اور اسلامی شعائر کو دیکھنا نہیں چاہتی ـــــ صرف اسلام کو اس لیے کہ بھارت میں اور مذاہب بھی ہیں لیکن ہر مذہب میں شرک شامل ہے، حتی کہ کرسچن بھی شرک کرتے ہیں، وہ بھی حضرت مریم کے اور حضرت مسیح کے فرضی مجسمے بنا کر پوجنے لگے

ہیں، صرف اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شرک نہیں،۔۔۔۔۔اس آئیڈیالوجی کو جتنی تکلیف توحید پرستوں سے ہورہی ہے اتنی کسی اور سے نہیں، کیونکہ مسلمان اللہ کے علاوہ کسی کو معبود نہیں مانتا، وہ عملی اعتبار سے خراب حالت میں ہونے کے باوجود اللہ کے ساتھ شرک کے لیے کبھی تیار نہیں ہوسکتا، وہ ''وندے ماترم''، ''سوریا نمسکار''، ''جے شری رام'' جیسے جملے نہیں بولنا چاہتا، اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان ہی اُن کے لیے خطرہ اور مستقل مدِّ مقابل ہے۔ لہٰذا وہ لوگ صرف مسلمانوں کو مٹانا چاہتے ہیں، ان کا سمجھنا ہے کہ اس ملک کو اگر ''ہندو راشٹر'' بنانا ہے تو مسلمان کو مٹانا پڑے گا، کیوں کہ شرک اور توحید آگ پانی کی طرح ہیں کہ دونوں کا جمع ہونا ممکن نہیں ہے، اگر چہ ہمارا ماننا یہ ہے کہ شرک اور توحید کا اجتماع تو یقیناً ممکن نہیں لیکن مشرک اور مومن کا اجتماعی رہن سہن نہ صرف ممکن ہے بل کہ اس ملک میں لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ کے ضابطے سے صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ بہ ہر حال اس تنگ ذہنیت میں اتنی وسعت نہیں ہے، وہ بس مسلم مُکت بھارت جو ماقبل مسلم سلاطین تھا وہی دوبارہ بنانے کے آرزومند ہیں، اب چوں کہ وہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کو مٹا تو نہیں سکتی، لہٰذا کوشش کررہی ہے کہ کم از کم دکھنے میں تو مسلمان نظر نہ آئیں۔ یعنی اُن کی مسلم شناخت ظاہر نہ ہو۔ اس لئے وہ دھیرے دھیرے بھارتیہ کلچر کے نام پر مسلمانوں کو ہندو تہذیب کے سانچے میں ڈھال دینا چاہتے ہیں، کیوں کہ پہلے تہذیب ختم ہو جائے گی پھر مذہب خود بہ خود دم توڑ دے گا، تہذیبِ اسلامی کے خاتمے اور مسلمانوں میں خوف و مایوسی پیدا کر کے اپنا پابند بنا لینے ہی کے لئے موب لنچنگ، بلڈوزر ایکشن، نفرتی بیانات، اسلام پر اعتراضات، لفظِ جہاد کا استہزاء، جیسی ظالمانہ حرکتوں کے لئے اپنے کارندوں کو کُھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔

مسلمان ہونا ظاہر کرو

ایسے حالات میں ہر مسلمان کو جرأت و ہمت پر استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے داڑھی رکھنا چاہیے، ٹوپی پہننا چاہیے، عورتوں کو حجاب کرنا چاہیئے، ایک ایک ظاہری سنت کو باقی رکھنے کی فکر کرنا چاہیئے، کیوں کہ جب انہوں نے طئے کرلیا ہے کہ ہمیں مسلمانوں کے شعائر دیکھنا نہیں ہے تو ہم طئے کرلیں کہ ہم تو دکھاتے رہیں گے۔ یہ صحیح ہے کہ دین میں اصل چیز عقیدے کے بعد نماز روزہ اور حلال و حرام ہے، لیکن چوں کہ ان کو ہماری شناخت سے چڑھ ہے، وہ اس شناخت کو ہی اسلام سمجھ رہے ہیں، اسی لئے ہر گلی کوچے میں ہم ظاہر کریں کہ ہم مسلمان ہیں۔ ورنہ اگر ہم ہی ڈر کے مارے اپنی پہچان مٹانے اور ان کے کلچر میں ڈھلنے لگے تو ہمیں مٹانے کی اُن کی خواہش خود بہ خود پوری ہوجائے گی، اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے، بعض لوگ سمجھ رہے ہیں کہ مولوی لوگ ہم کو خطرے

میں ڈال رہے ہیں، ہم آپ کو خطرے میں نہیں ڈال رہے ہیں خطروں سے نکال رہے ہیں، اپنی شناخت کی بقا کے ذریعہ مٹائے جانے کے خطرے سے نکلو، ڈر کے نہیں نکل سکتے، چھپ کر نہیں نکل سکتے، کیوں کہ ان کا منشا یہی ہے کہ مسلمان اپنا دین دھرم اپنے دل میں رکھیں، مسجدوں میں رکھیں، ہر جگہ دکھاتے نہ پھریں۔ مسجد میں بیٹھ کر کہہ رہا ہوں، خدانخواستہ اپنا کلچر چھوڑ دینے کا بھاجپا کا یہ ڈیمانڈ آپ نے قبول کرلیا تو سو سال بھی نہیں گزریں گے کہ آپ کا ایمان اور آپ کی توحید آپ کا دین آپ کی نسل سب ختم ہوجائیں گے۔ وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ اے نبی! یہودی اور عیسائی آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے، جب تک کہ آپ یہودی یا عیسائی نہ بن جائیں، یہ قرآن کہہ رہا ہے، پڑھ لو قرآن! یہ بھاجپا والے دراصل یہودی ہی ہیں یا کم از کم ان کے ہم مزاج وہم نوا ہیں، جب وہ نبی سے دین چھوڑے بغیر راضی نہیں ہو سکتے تھے تو اُن کی امت سے اس سے کم پر کیسے راضی ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں نبی سے فرمایا: قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ’’ان لوگوں کے کسی بھی مطالبے کے جواب میں فرما دیجیے‘‘ جس چیز کو اللہ نے ہدایت کہا وہی ہدایت ہے،‘‘ میں اس کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، جو جواب نبی کو سکھایا گیا، ظاہر ہے کہ امت کا بھی وہی جواب ہونا چاہیے۔

ہندوستان کی اہمیت

وہ خاص ذہنیت جو اس وقت ہر اونچی سیٹ اور اونچی پوسٹ پر بیٹھی ہوئی ہے، پورا ہندوستان اس وقت اس کے قبضے میں ہے، وہ ہم سے کہہ رہی ہے کہ اس ملک میں رہو کماؤ، کھاؤ، پیو مگر دکھانا نہیں کہ ہم مسلمان ہیں، یعنی اسلامی تہذیب کے ساتھ رہنے پر اصرار مت کرو، بھارتیہ کلچر یعنی ہندوانہ تہذیب اختیار کرلو، اگر نہیں کرنا چاہتے ہو تو دیش دُروہی قرار دیے جانے کے لیے تیار ہوجاؤ، ہمارا کلچر نہیں لو گے تو ہم کہیں گے کہ تم ملک کے باغی ہو، تم دیش کے غدار ہو، تمہارے اوپر غداری کا کیس چلائیں گے، کیوں کہ تم بھارت کا یعنی ہندوانہ کلچر قبول نہیں کررہے ہو۔ مسلمانو! ان تنبیہات سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ پورے اطمینان اور وثوق سے کہو کہ ہم ہی اصل بھارتی ہیں، کیوں کہ خدا کے سب سے پہلے نبی یہاں آئے، سب سے پہلی وحی یہاں اتری، سب سے پہلے جبرائیل کا نزول یہاں ہوا، سب سے پہلے نماز یہاں پڑھی گئی، سب سے پہلے اللہ کا کلمہ یہاں بلند ہوا، سب سے پہلا حاجی حج کا احرام باندھ کر یہاں سے گیا، سب سے پہلے مسلمان کو یہاں دفن کیا گیا، ہمارا رشتہ اس ملک سے تم سے بھی بہت پہلے سے ہے، اس لیے ہم اس ملک کو آبائی اور مذہبی وطن مانتے ہیں، ہمارا کلچر وہی ہے جو آدم علیہ السلام کا ہے، کیوں کہ وہی بھارت کا اولین کلچر ہے، وہی پہلے انسان ہیں تو انہی سے انسانی آبادی بنی، جو کلچر ان کا تھا وہی اُن کی اولاد کا ہے، تم نے اگر وہ کلچر چھوڑ دیا تو تمہاری مرضی لیکن ہم نہیں چھوڑیں گے، کیوں کہ اصل

ہندوستانی ہم ہی ہیں، ہر نبی بنیادی طور پر وہی بات کہتے ہیں جو آدم علیہ السلام نے کہی اور آخری نبی نے بھی وہی بات کہی، اس لیے ہم اس کو چھوڑنے والے نہیں۔ضرورت یہ ہے کہ آج مسلمان پہلے سے زیادہ مضبوط رہیں تب جا کر کام بنے گا،حکمتِ عملی، زبان کی نرمی، اخلاق کی بلندی، سماجی سنجیدگی اور قومی یکجہتی یقیناً ضروری ہے لیکن دین اور تہذیب سے دست برداری کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ وہ جرم ہے کہ اگر ہم نے کیا تو پھر ہمیں نہ خدا بخشے گا نہ نسلیں معاف کریں گی۔

موجودہ صورتِ حال

مگر اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ دھیرے دھیرے ہم دین کے معاملے میں پیچھے ہٹ رہے ہیں، اور شکست قبول کرنے کے لئے تیار ہو جا رہے ہیں اگر ہم ایسے ہی پیچھے ہٹتے رہیں گے تو ہماری گودوں میں پلنے والے بچے بھارتیہ کلچر کے نام پر یا تو ہندو بن جائیں گے یا صحیح معنوں میں مسلمان باقی نہیں رہ پائیں گے، بہت بڑی بات کہہ رہا ہوں، غور سے سن لیجئے: اگر ہم مذہبِ اسلام، تہذیبِ اسلامی اور توحید و رسالت کے معاملے میں پیچھے نہیں ہٹے اور نیچے نہیں اُترے تو کوئی طاقت اور کوئی ذہنیت ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ اور اگر پیچھے ہٹنے کے لیے تیار ہو گئے اور کلچر کے نام سے لائے گئے مشرکانہ تصورات و اعمال اختیار کرنے لگے تو مان لینا چاہیے کہ ہم اگلی نسل کو مندروں میں بھیجنے اور مورتی پوجا کرانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ایسا میں کیوں بول رہا ہوں؟ تھوڑا سا میں آپ کو اس کا پس منظر بتا دیتا ہوں، آپ تاریخ پڑھ لیجئے، جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا، پھر دھیرے دھیرے پورے ہندوستان پر مسلم حکم رانی کا پرچم لہرایا گیا تب سے اس مخصوص طبقے کے دلوں میں جلن اور تکلیف ہے وہ مسلمانوں کی حکم رانی سے راضی نہ تھے مگر چوں کہ ان کے راجا مہاراجا شکست کھا چکے تھے اس لئے کہ کر کچھ نہیں سکتے تھے۔ اسی وجہ سے جب تک مسلم حکم رانوں کا غلبہ تھا تب تک دلوں میں اس جلن کو چھپا کر انہی کی تملق و چاپلوسی سے کام چلاتے رہے، پھر جب انگریز آئے تو یہ لوگ ان کی ماتحتی اور غلامی میں چلتے رہے، پھر جب مسلمانوں کی ڈیڑھ سو سالہ اور دیگر اہل وطن کی پچاس سالہ بے پناہ قربانیوں کے بعد ملک آزاد ہو گیا بل کہ تقسیم بھی ہو گیا تو دلوں میں چھپی چنگاری شعلہ بن گئی، مسلمانوں پر جھوٹے الزامات لگا کر نفرت کا ماحول بنانا شروع کیا، پھر جب انہی کے ایک محبوب قائد نے کسی خاص مصلحت سے ان کی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی تو اگرچہ وہ سیاسی منظر سے ہٹ گئے، لیکن اندر خانہ خاموش و مضبوط طریقے پر ہندوؤں کو مسلمانوں سے متنفر کرنے کا کام جاری رکھا، اور تعلیمی میدان کو ہاتھوں میں لے کر نئی نسل کے ذہنوں کی اپنی ذہنیت کے مطابق تشکیل کی جدوجہد شروع کر دی، شہروں سے لے کر جنگلوں اور آدی واسیوں تک ملک کے معصوم بچے ان کے نشانے پر

تھے۔اس جدوجہد نے ستر برس کے بعد ملک میں ان کی ذہنیت سے متفق نوجوانوں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی ناقابلِ تسخیر تعداد تیار کرلی ،اب وہ کسی قانونی پابندی کے پابند تو کیا ہوتے اپنے مخالف ہر ایک شخص اور جماعت پر پابندی لگانے کے قابل ہوگئے ہیں ،اب صرف بھارت کا آئین ہندوراشٹر کے قیام کی واحد رکاوٹ ہے جس کو بیسیوں ترمیم واضافے کے ذریعے بہت حد تک مجروح کردیا گیا ہے، بس اس کی موت کا انتظار ہے ’’قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ‘‘یعنی مسلمانوں سے اُن کا بغض کچھ تو ان کے منھ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔(الِ عمران: ۱۱۸) بہ ہر حال ! آزادی کے بعد سے یہ طبقہ مسلم مکت بھارت دیکھنا چاہتا ہے،اسی کے ساتھ ساتھ کانگریس مکت بھی ، اس لئے کہ کانگریس نے اس کی بات نہیں مانی تھی اور سیکولر بھارت کا نعرہ دیا تھا، یہ اور بات ہے کہ اب کانگریس میں بھی کوئی جمہوریت نہیں رہی۔آر ایس ایس نے ٹرینڈ لوگوں کو کانگریس میں شامل کر کے کانگریس کی سیکولرآئیڈیالوجی خاک میں ملادی۔

آزادی کے بعد

اب یہ اللہ کی مرضی ہے کہ آزادی کے بعد ان لوگوں نے تقسیم کے ذریعے مسلمانوں کو بھگانا چاہا وہ نہیں ہوسکا، دبا کے رکھنا چاہا وہ نہیں ہوا، ملک میں ہندومسلم کارڈ کھیلنا چاہا وہ بھی نہیں چلا ،اُلٹا اُن کے اوپر ہی پابندی لگ گئی تو انہوں نے روپوش ہوکر جوانڈرگراؤنڈ افراد سازی کا کھیل کھیلا وہ صد فی صد کامیاب ہوگیا۔اب جب کہ اس کے سیاسی دھڑے بی جے پی کو اقتدار کی قوت مل گئی ہے تو اس قوت کے زور سے ملک کو ہندوراشٹر بنانے کے اپنے منصوبے پر عمل درآمد میں مشغول ہوگئے ہیں، اگرچہ یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے مگر ممکن حد تک کوشش برابر جاری ہے، نئی تعلیمی پالیسی بھی اسی پس منظر میں لائی گئی ہے، یہ صحیح ہے کہ ہر تیس سال میں نیا نظام تعلیم بنایا جاتا ہے، کیوں کہ تیس سال میں بچوں کی نفسیات بدل جاتی ہے، زمانے کی ہوا بدل جاتی ہے، ماحول بدل جاتا ہے،صلاحیتیں بدل جاتی ہیں، اس وجہ سے ہر تیس سال کے بعد ماہرینِ تعلیم غور کر کے تعلیم کا نظام ونصاب تبدیل کرتے ہیں، آزادی کے بعد ملک کا نظامِ تعلیم دومرتبہ تبدیل ہو چکا ہے، اُس وقت جو تبدیلی ہوئی وہ صرف نظام، نصاب، اور اس کی سہولتوں میں ہوئی تھی، اس کا سیکولر ڈھانچہ نہیں بدلا گیا تھا، تعلیمی ڈھانچہ ہر ہندوستانی مذہب اور تہذیب کی نمائندگی کرتا تھا، کسی خاص مذہب کی نہیں، سیکولر ملک کا ایجوکیشن سیکولر ہونا لازم تھا، کسی خاص مذہب یا تہذیب کے رنگ میں رنگا نہیں گیا تھا، مذہب اور تہذیب شخصی انتخاب اور اختیار کی چیزیں سمجھے جاتے تھے، ہر طالب علم مذہب اور تہذیب میں اپنی پسند کے لئے آزاد تھا، لیکن جب تعلیمی پالیسیوں میں تیسری ترمیم کا وقت

آیا تو حکومت بھاجپا کے ہاتھ میں تھی اور پوری قوت واکثریت کے ساتھ تھی۔مودی سرکار ملک کے سیکولر چہرے کو چوطرف سے مسخ کرنے کے کام پر لگی ہوئی تھی۔

نئی تعلمی پالیسی

جب تعلیم کے نظام ونصاب پر نظر ثانی کا مسئلہ اس کے سامنے آیا تو اس نے اس موقع کو اپنی ذہنیت مسلط کرنے کا سنہرا موقع سمجھا، بھرپور فائدہ اُٹھایا اور ایک ایسی کمیٹی بنائی جس میں ماہرینِ تعلیم کے ساتھ حکومت کے بھاجپائی کارندے بھی شامل تھے، پہلے سیاسی کارندے ایجوکیشن کمیٹی میں نہیں ہوتے تھے، صرف ماہرینِ تعلیم ہوتے تھے اب تو اس کے چیئرمین وزیر اعظم یعنی خود مودی صاحب بن گئے، ان کی نگرانی میں آر ایس ایس کے تعلیمی ماہرین نے اپنی ستر سالہ بھاجپائی تعلیمی تجربات کی روشنی میں ملک کا نیا نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم مرتب کیا جو NEP کے نام سے متعارف ہوا۔

اس کو پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تو کچھ ایم پیز نے اعتراض بھی کیا، لیکن لاک ڈاؤن کے ماحول میں پارلیمنٹ کے ایک محدود اجلاس کے اندر اس پالیسی کا اختصار پیش کرکے اپنے ہی ایم پیز سے پاس کروالیا گیا، اب وہ بل منظور ہوکر بھارت کے آئین میں شامل ہو چکا ہے، اب کبھی بھی بھارت کے ڈھائی لاکھ منڈلوں میں وہی سیلبس پڑھایا جائے گا جو کبھی آر ایس ایس کا نظریہ اور ان کی شاکھاؤں کا نظامِ تعلیم تھا، جو کے جی سے پی جی تک تمام مرحلوں پر مشتمل ہے۔اب آپ ہی سوچیے کہ جس نصاب کے ذریعے وہ اپنے بچوں کے ذہن مسلم دشمن اور اسلام مخالف بنانے میں کامیاب ہوئے، اب ہر مذہب کا بچہ اس نصاب کو پڑھ کر مسلم دشمن کیوں نہیں بنے گا؟ اور اسلامی سے نفرت کیوں نہیں کرے گا؟۔ یہ ہے ان کی اصل سازش! اس لئے ہم کہہ رہے ہیں کہ اِس وقت ہماری گود میں جو بچے پل رہے ہیں، ان کے ایمان پر ارتداد کی تلوار لٹک رہی ہے، مگر آپ کو سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔اگرچہ ابھی تک ہر جگہ جدید تعلیمی نظام یعنی NEP کا نفاذ نہیں ہوا لیکن آگے چل کر پورے ملک کا تعلیمی نظام اسی کا پابند ہوگا، جب کہ بعض ریاستوں میں باقاعدہ اس کا نفاذ ہو چکا ہے، اور بعض میں باقاعدہ تو نہیں لیکن بھاجپائی انتظامیہ اور ٹیچرز از خود اس نظام کے تقاضوں پر عمل درآمد کررہے ہیں۔

نئی تعلمی پالیسی میں کیا ہے؟

اب جو نیا تعلیمی نظام ونصاب آیا ہے، اس میں ہندوتوا اور بھاجپا کی روح ڈالی گئی ہے، شرکیات بھرے گئے ہیں جیسے نقاشی اور رنگ کاری کے لئے دیوی دیوتاؤں کے نقشے، دیوی دیوتاؤں سے استمداد اور اپنے

عقیدوں کے مطابق ان کی شکتیوں اور قدرتوں کے تذکرے، ہندو مذہبی تہواروں کا تعارف اور ان کے فوائد، طاقت کے لئے ہنومان، دولت کے لئے لکشمی اور علم و ہنر کے لئے سرسوتی پوجاؤں کی اہمیت اور بھاجپائی قائدین کے تذکرے وغیرہ باتوں کو تو ملحوظ رکھا گیا ہے مگر دیگر مذاہب کے تذکرہ و تعارف کو نظر انداز کر دیا گیا، تا کہ بچوں کی فکری ارتقاء اور ذہنی پرداخت ہندوانا رنگ میں ہو، اور دیگر مذہبوں و تہذیبوں کا خود بہ خود خاتمہ ہو جائے۔ اسی طرح تاریخ کے مضمون میں مسلم قائدین کا جو ذکر ہوا کرتا تھا اُسے حذف کر دیا گیا بل کہ خود تاریخ پر تعصب و نفرت کی بھڑاس نکالی جا رہی ہے۔ جب آواز اٹھانے والوں نے آواز اٹھائی تو وزیر تعلیم نے کہا کہ یہ بھارت کا کلچر ہے کوئی مذہب نہیں اور بھارتی کلچر سے ہر بھارتی کو پیار کرنا چاہیے، یہ کہہ کر ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور ہمارے لوگ ایسی تاویلات پر یقین بھی کر لے رہے ہیں۔ اب آپ ہی سوچئے اگر چند سال تک اسکولوں کا یہی حال رہا تو بچہ کفر و شرک کے مسموم اثرات سے بچ پائے گا؟ اگر میں غلط بول رہا ہوں تو آپ اپنے ضمیر سے پوچھ لو کہ ہمارا بچہ ایسے ماحول میں جوان ہو کر کیا کرے گا؟ کیا ہماری بچی اپنی ہندو سہیلی کے ساتھ مندر جا کر یہ کہتے ہوئے کہ یہ تو ایک کلچر ہے پوجا میں حصہ نہیں لے گی؟ یہ سب کرنا اب شروع ہو چکا ہے، بچے ان شرکیات و کفریات میں مبتلا ہو رہے ہیں، اس کو کوئی بری بات نہیں سمجھ رہے ہیں۔

فرقہ پرست لوگ یہاں تک تو کامیاب ہو گئے۔ جب یہی نصابِ تعلیم پڑھایا جائے گا، یہی باتیں ذہنوں میں بٹھائی جائیں گی، اس سے ہمارے بچوں کے ذہن خراب اور متأثر ہوں گے یا نہیں؟۔

نتائج آنے لگے

اب چند واقعات سُن لیجئے جو حالیہ عرصے میں میرے سامنے آئے۔

مجھے بنگلور کے ایک صاحب نے بتایا کہ اُن کا سات سال کا بچہ جو اسکول جاتا ہے وہ گھر آ کر ماں سے کہتا ہے کہ کلاس میں میرے بازو والا بچہ مجھ سے بار بار بولتا رہتا ہے کہ ”تمہارا اللہ بہت خراب ہے، تمہارا اللہ اچھا نہیں ہے“۔ (نعوذ باللہ) ایک چھوٹا سا غیر مسلم بچہ ہمارے مسلمان بچے کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بار بار یہ بات کیوں بول رہا ہے؟، بھاجپائی تعلیم گاہوں میں پڑھتے ہوئے لوگوں نے یہ ماحول بنا رکھا ہے، ایسی باتیں سُن سُن کر مسلم بچے کیا دھیرے دھیرے متأثر نہیں ہو جائیں گے؟ کیوں کہ جب کوئی بات بچہ بار بار سنتا ہے تو بچے تو بچے بڑوں کا بھی ذہن اُسے قبول کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ چند چوروں نے بھولے بھالے آدمی سے بکری کے بچے کو بار بار کتے کا بچہ کہا، تو سننے والا سنتے سنتے نفسیاتی طور پر بالآخر یقین کر لیا کہ یہ کتے کا بچہ ہی ہے، ایسے ہی ہمارے بچے یہ جھوٹی باتیں سنتے سنتے نفسیاتی طور پر یقین کر لیں گے کہ سچ ہیں، جب اتنے لوگ بول رہے ہیں کہ

اللہ بُرا ہے، اللہ ظلم کرتا ہے، اللہ ہے ہی نہیں، (نعوذ باللہ) تو ایک دن وہ اس کو صحیح سمجھ لیں گے، ایک طرف اسلام اور مسلمانوں کی بُرائی کانوں میں پڑ رہی ہے تو دوسری طرف کان یہ سُن رہے ہیں کہ ہنومان پاور فل ہے، لکشمی بہت دولت منداور سخی ہے، سرسوتی سے علم ملتا ہے، وغیرہ یعنی ہمارے بچوں کے سچے عقیدوں کو جھٹلایا جارہا ہے اوراپنے فرضی اور خیالی عقیدوں کواُن پر مسلط کیا جارہا ہے تو سوچئے کہ بچوں کا کیا حال ہوگا؟۔

تلنگانا ہی کے ایک علاقے میں جانا ہوا، وہاں کے نوجوان علماء نے بتایا کہ وہاں کے اسکول میں ابھی گن پتی تہوار کے موقع پر ہندو ٹیچر نے تمام بچوں کو بشمول مسلم بچوں کے یہ ترغیب دی کہ وہ اپنے اپنے گھروں سے گنیش کی مورتی بنا کر لائیں، چناں چہ کئی مسلم بچوں نے ٹیچر کی ہدایت کی پیروی کرتے ہوئے عمدہ مورتیاں تیار کیں، اور افسوس اس پر ہے کہ بچوں کے پیرنٹس نے بھی ان کا بھر پور ساتھ دیا اور مدد کی۔ اس قسم کے واقعات کی جگہ جگہ سے خبریں آرہی ہیں، آنکھیں دیکھ رہی ہیں، کان سُن رہے ہیں مگر بے حسی کا یہ عالم ہے کہ کان پہ جوں نہیں رینگ رہی ہے۔

والدین کی بے حسی اوراسکولوں کی صورتحال

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کو اپنی اولاد کے بارے میں بے شک فکر ہے، ہمدردی اور محبت ہے، ماں باپ کی ممتا بچوں کے لیے بے چین تو ہے لیکن وہ صرف اچھا کھلانے پلانے، اچھے کپڑے پہنانے اور صحت کا خیال رکھنے کے واسطے ہے، پھر جب پڑھنے لکھنے کے قابل ہو تو اچھے اسکول میں داخلہ دلوانے کی حد تک ہے، یہ باشعور مسلمانوں کا حال ہے، بے شعور لوگ تو اسکول کا نام بھی نہیں جانتے، یہاں میری بہنیں، بیٹیاں موجود ہیں غور کرکے دیکھ لو ان چار فکروں کے علاوہ آپ اپنے بچوں کے ساتھ پانچواں سلوک کیا کر رہے ہیں؟ ماں باپ پر بچوں کا سب سے پہلا حق اُن کے ایمان وتوحید کی حفاظت ہے، اُن کے اندر معرفتِ رب، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، اور قرآن سے قرب پیدا کرنا ہے، دین کے بارے میں معلومات دینا ہے۔ مگر جب اماں کو خود نہیں معلوم تو وہ کہاں سے سکھلائے گی؟ والد خود نہیں جانتا تو بچوں کو کہاں سے سکھلائے گا؟ ہمارے بچے بارود کے ڈھیر پر ٹھہرے ہوئے ہیں، ایک طرف حکومت کا نظام تعلیم ان کو مشرکانہ رنگ میں رنگنے کے لیے تیار ہے، ہندو ٹیچر بچوں کا ذہن خراب کر رہے ہیں؟۔ دوسری طرف اُن کے سرپرستوں کو کچھ احساس نہیں کہ کیا ہو رہا ہے! وہ تو اپنے بچوں کو اسکول کے دروازے پر چھوڑ کے آجاتے ہیں، پھر دروازے سے واپس لے آتے ہیں یا پھر سواری کا انتظام کر دیتے ہیں، ان کو نہیں معلوم کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ تحقیق بھی نہیں کرتے، اگر کرتے بھی ہیں تو اس بات کی کہ ٹیچر اچھے ہیں؟ B.ED ہیں؟ ٹرینڈ ہیں؟ اسکول رجسٹرڈ ہے یا نہیں؟ یہ جاننا نہیں چاہتے کہ متعصب ٹیچر

کلاس میں بچوں کی حاضری کیسے لیتے ہیں؟ پہلے نام پکارنے پر بچے ''حاضر جناب'' کہتے تھے، پھر ''یس سر'' کہنے لگے اور اب نام پکارنے پر بعض ٹیچروں نے بچوں کو ''جے شری رام'' کہہ کر جواب دینا سکھا دیا ہے۔ عائشہ! جئے شری رام، عبداللہ! جئے شری رام، جب کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے، حکومت سے کوئی نہیں پوچھ رہا ہے کہ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ اگر کسی اسکول میں کوئی مسلم ٹیچر بچوں کو یہ سکھائے کہ وہ نام پکارنے پر ''اللہ اکبر'' کہہ دیں تو کیا یہ بجرنگ دل والے بولنے دیں گے؟ کیا حکومت اس پر خاموش رہے گی۔ بولنے دیں گے؟ سبحان اللہ! بولنے دیں گے؟ جب یہ نہیں چلے گا تو وہ کیسے چل سکتا ہے؟ مگر کوئی پوچھنے والا نہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلم سماج سو رہا ہے، اس لیے ان کو ہم سے کوئی ڈر نہیں، سوریا نمسکار، بعض ٹیچر کہلوا رہے ہیں، مسلم بچے بھی کہہ رہے ہیں، گھر میں اماں کچھ نہیں بول رہی ہے، کل کو بچے یہی کلچر بنالیں گے، ان کی یہی عادت پڑ جائے گی۔ یہ فرقہ پرست ٹیچر جو کرنا چاہ رہے ہیں کر رہے ہیں، کوئی اُن کو روکنے والا نہیں۔

مسلمان اور تعلیمی صورت حال

ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان تعلیم سے زیادہ اہمیت کسی کو نہ دیں، نظام تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتا تو مسلمان سو فیصد تعلیم یافتہ ہوتے یہ اور بات ہے کہ دشمنوں کی محنتوں کی وجہ سے ہم دنیاوی تعلیم دینی تعلیم دونوں سے دور رہیں ہر ہر محلے کا سروے کرالو کتنے بچے آوارہ گردی کر رہے ہیں، کتنے بچوں کی قسمت میں علم کی روشنی ہی نہیں، ماں باپ پڑھانا چاہتے ہیں، نوجوانوں نے پڑھنا چھوڑ دیا، نوجوانوں کی بات آئی تو مجھے بولنا پڑتا ہے کہ مسلم بچوں کی بڑی تعداد نشے کی عادی ہو چکی ہے، میں تو پورے ہندوستان میں جاتا ہوں، ہر جگہ مجھے کہا جاتا ہے بدکاریاں عام ہوگئیں، بولنے کے لیے شرم آتی ہے، مگر حالت یہی ہے مسلمانوں کی، یہ سب ہو رہا ہے، کیوں ہو رہا ہے؟ ہم نے تعلیم چھوڑ دی، ہمارے پاس علم کی قدر ہی نہیں، علم کی اہمیت ہی نہیں، اب جب حکومت نے دیکھ لیا کہ مسلمان علم سے دور ہیں تو اس نے ایک قانون بنایا ہے RTE (قانون حق لازمی تعلیم) ہر ہر بھارتی کو دسویں تک پڑھنا ضروری ہے، کوئی بچے کو نہیں پڑھا رہے ہیں تو اس کو سزا ملے گی، ماں باپ نہیں پڑھا رہے ہیں تو ماں باپ کو سزا ملے گی، کہ وہ بچوں کو اگر دکان میں کام کر رہے ہیں تو دکاندار کو سزا ملے گی، دینی مدارس میں حفظ کر رہے ہیں تو ناظم صاحب کو سزا ملے گی کہ وہ بچوں کو دسویں تک کیوں پڑھنے نہیں دے رہے ہیں، یہ قانون کانگریس نے بنایا تھا، اس کو کچھ ترمیم واضافے کے ساتھ NEP میں بھی شامل کرلیا گیا ہے۔

مسجد کی عمارتوں سے زیادہ بچوں کی دینی تعلیم پر خرچ کرو

خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت ہماری نسل کے دین و ایمان کا مسئلہ ہے، اور یہ مسئلہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے، اس

لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی اولاد کی اسلامی تربیت کریں۔ابھی آپ تفصیل سے سُن چکے ہیں کہ مسلم امت کی نئی نسل کتنے خطرے میں ہے، یہ ہمارے بچے ہی نہیں یہ ہمارے نبی کی امت ہیں، اِن کا کتنا بڑا نقصان ہونے والا ہے، اس نقصان سے بچاؤ کے لیے آپ کیا فکر کر رہے ہیں؟ خدا کے واسطے سر جوڑ کر بیٹھو، اور ہر غیر ضروری خرچ کو بچا کر مکاتب کے قیام اور بچوں کی تربیت پر صرف کرو، مثال کے طور پر ہماری مسجد چھپر کی ہے کوئی بات نہیں، اسی میں نماز پڑھ لو، RCC کی مت بناؤ، یہی پیسے جو پختہ مسجد کی تعمیر میں لگ سکتے ہیں بچوں کے ایمان بچانے پر خرچ کرو، بچوں کے دین سکھانے پر، توحید کا عقیدہ ان کے دل میں اُتارنے پر خرچ کرو، اس طرح مضبوط عقیدہ بنا دو کہ فرقہ پرست ہندو ٹیچر شرک بیان کرے تو بچہ کا ضمیر کہے کہ میں نہیں مانتا، میں اس کو غلط سمجھتا ہوں۔

حضرت معروف کرخیؒ کا بچپن میں ایمان

حضرت معروف کرخیؒ ایک بزرگ گذرے ہیں، ان کا خاندان عیسائی تھا، عیسائی اسکول میں پڑھتے تھے، ٹیچر بچوں کے سامنے تین خداؤں کا ذکر کرتا تھا، یہ کھڑے ہو کر کہتے تھے کہ خدا تین نہیں ہو سکتے ایک ہی ہو سکتا ہے، میں ایک ہی خدا کو مانتا ہوں، اس بات پر حضرت معروف کرخیؒ کو بچپن میں ٹیچر نے مارا، خاندان والوں نے مارا، جب یہ جوان ہوئے تو بھی وہ یہی بولتے رہے، معروف کرخیؒ پر بچپن میں اتنا ظلم ہوا کہ تاریخ کی ایک داستان بن گیا، لیکن انہوں نے کبھی نہیں مانا کہ خدا تین ہو سکتے ہیں، خدا ایک ہی ہے، قربانیوں نے اور خون پسینے نے وہ رنگ دکھایا کہ اپنے زمانے کے قطب عالم بنے، لاکھوں ہندوؤں کو توحید و ہدایت کا سبق دینے میں کامیاب ہو گئے، اللہ بے نیاز ہے، عیسائی کے گھر سے اٹھا کر لاکھوں بندوں کو توحید سکھا دیا، اور اگر ہماری غفلت کا یہی حال رہا تو اللہ ہمارے بچوں کو کہیں اور بھیج دے گا (اللہ بچائے اللہ بچائے) بولتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔

بچوں کے اندر ایمانی جذبہ پیدا کرو

لیکن پھر بھی آپ کے اندر شعور پیدا کرنے کے لیے بولنا پڑتا ہے، کیوں کہ مسلمانوں کا آج حال یہ ہے کہ اپنی اولاد کو یا تو پڑھا ہی نہیں رہے ویسے ہی جنگلی بنا رہے ہیں یا تو زیادہ سے زیادہ دنیوی تعلیم دلانے کے لئے کسی اسکول میں شریک کر دے رہے ہیں، اسکولوں میں کیا ہو رہا ہے اس سے کوئی مطلب ہی نہیں، حالاں کہ اسکولوں میں ان کا دین دھرم بدلنے کی کوشش چل رہی ہے، بہ ہر حال جو بچے اسکول نہیں جا رہے ہیں ان پر بھی رحم کرو، جو جا رہے ہیں ان پر بھی رحم کرو، ایمان کے حوالے سے اپنے اولاد کی فکر کرو، انشاء اللہ بھوکا تو کوئی دنیا میں نہیں رہے گا، اللہ تعالیٰ نے کسی بڑے سے بڑے پجاری کو بھوکا نہیں رکھا، بڑے سے بڑے پادری کو بھوکا نہیں رکھا، بڑے بڑے شیطان اور باغی کو بھوکا نہیں رکھا، اللہ مومن کو کیوں بھوکا رکھے گا؟ بچوں کے کھانے،

کپڑوں کا مسئلہ نہیں، اگر مسئلہ ہو بھی جائے تو ہو جائے، ہم ایک جوڑے میں زندگی گزار لیں گے، دن بھر میں ایک نوالہ کھا کر جان بچا لیں گے، لیکن ایمان کا سودا نہیں کریں گے، توحید پر آنچ آنے نہیں دیں گے، ایسے جذبے والی نسل کو ہمارے گھروں سے کھڑی ہونا ہے، اگر ہم نے ایسی نسل نہیں کھڑی کی تو اسلام کے خلاف جو جنگ شروع ہو چکی ہے، وہ جنگ ہمارا دشمن جیت لے گا، اور ہم ہار جائیں گے۔ اس لئے ہم اپنے بچوں کی تربیت کریں، اپنے بچوں کو توحید پر مضبوطی سے جمائیں، ان کے دلوں میں نبی کی محبت داخل کریں گے، ان کے رگ رگ میں خون کے قطروں میں قرآن کا عشق داخل ہو گیا تو انشاء اللہ ہماری نسل محفوظ رہے گی۔ انگریز حکومت نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، کسی کو عیسائی نہیں بنا سکے 150 سال میں ہر مذہب سے کچھ لوگوں کو کرسچن بنا لیا، مسلمانوں کا مذہب نہیں بدل سکے تو یہ فرقہ پرست کیا بگاڑ لیں گے؟ بشرطیکہ انگریز کے سامنے جو مسلمان تھے اِن کے سامنے بھی وہی مسلمان ہوں۔

اپنے گھر کی حفاظت کرو

مگر مسلمان سوتے رہیں تو ان کا کیا مقابلہ کریں گے؟ جب خود ہی کوئی طاقت نہیں، اپنے اندر نور ہی نہیں دوسروں کو کیا نور دیں گے؟ اپنے ہی دل میں کفر کی ظلمتوں کے اندھیرے رہیں تو دوسروں کو ایمان کی روشنی کہاں سے دیں گے؟ اس واسطے تمام مسلم بھائیوں سے بہنوں سے بھی بہت ہی دردمندانہ گزارش ہے کہ مسئلے کی سنگینی کو سمجھیں، یہ سنگین مسئلہ ہے سن کر مان کر چلے جائیں گے تو بھی کوئی فائدہ ہونے والا نہیں، کچھ طے کر کے اٹھو کہ کم از کم جو نسل میرے گھر میں ہے ان کو میں بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑوں گا، اتنا مضبوط بناؤں گا کہ جہاں جائے ایک کو کھینچ لائے، لیکن خود دوسرے کے حوالے نہ ہو یعنی میری بیٹی کسی کالج میں پڑھ کر بے ایمان کو ایمان کی روشنی تو دے سکتی ہے لیکن اپنا دل ہار کر خود کافر نہیں بن جا سکتی، آپ چاہو تو اپنے گھروں میں بایزید بسطامی بناؤ، معروف کرخیؒ بناؤ، جنید بغدادی بناؤ، نظام الدین اولیاء بناؤ، بابا فرید الدین گنج شکر بناؤ، بخاری بناؤ، رازی بناؤ، ماں اگر چاہ لے تو آج بھی بنا کے لا سکتی ہے، لیکن آپ نہیں چاہیں گے تو پھر کچھ نہیں ہو گا۔

میں نے آپ کو ملک کی تاریخ بتائی، جس سے یہ حالات جنم لے کر آئے اس کا چھوٹا سا منظر آپ کے سامنے رکھا، ورنہ تو یہ دردناک تاریخ ہے، ہر مومن کو جاننا چاہیے کہ ہم آج تک کیسے مسلمان بچے ہوئے ہیں، وہ علماء وہ مشائخ وہ حریت و آزادی کے ہیرو اپنی اپنی قبروں میں چلے گئے جن کی بدولت ہم آج تک پھر بھی مسلمان ہیں، لیکن اگلی نسل مسلمان باقی رہے اس کے لیے ہم کچھ نہیں کر رہے ہیں، اس کی جانب توجہ دینے کی اور فکر و کوشش کرنے کی ضرورت ہے، میں امید کرتا ہوں کہ آپ کے دل میں کچھ کرنے کا جذبہ ضرور پیدا ہوا

ہوگا، ہم آپ کے سامنے دکھڑا رکھ سکتے ہیں، رونا رو سکتے ہیں، لیکن آپ کا دل نہیں بدل سکتے، وہ اللہ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے، اللہ سے مانگو کہ وہ ہمارا دل بدل دے، ہمارے اندر فکرِ آخرت پیدا کر دے، نبی کے خون پسینے سے سینچی اس کھیتی کو بچالے، آپ طے کر لو کہ اپنی جان کی قیمت پر نبی کی کھیتی کو بچالیں گے یہ ملت نبی کی کھیتی ہے، میں اس کو سوکھنے نہیں دوں گا، ہمیشہ لہلہاتی اور ہمیشہ پھل دیتی رہے، ہمیشہ اپنا وجود مناتی رہے، اس کے لئے ہم جو کردار ادا کر سکتے ہیں وہ ہمارے ذمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین

(بقیہ صفحہ ۲۳ سے)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جب حضرت عبداللہ ابن السلام حاضر ہوئے کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، اور عرض کیا کہ گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسولِ برحق ہیں اور آپ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، یہود مجھے اپنا سردار اور سردار کا بیٹا، سب سے بڑا عالم اور عالم زادہ سمجھتے ہیں، میرا اسلام ظاہر ہونے سے پہلے آپ اُنھیں بلا کر میرے بارے میں پوچھئے! اس لیے کہ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ میں اسلام لایا ہوں تو وہ میرے بارے میں غلط بیانی سے کام لیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلا بھیجا اور اُن سے پوچھا: اے یہودیو! بربادی ہو تمہاری، اللہ سے ڈرو، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسولِ برحق ہوں اور حق لے کر آیا ہوں، اسلام لے آؤ، انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو نہیں معلوم ہے۔ اسی طرح تین دفعہ سوال و جواب ہوئے، پھر آپ نے پوچھا: تم میں عبداللہ ابن سلام کیسا آدمی ہے؟ کہا کہ وہ تو ہمارا سردار ہے اور سردار زادہ ہے، اور وہ ہم میں بڑا عالم ہے اور بڑے عالم کا بیٹا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اگر وہ اسلام لے آئے تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے کہا: **حاشاہ للہ** ! وہ اسلام کیسے لا سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں آواز دی، اے ابن السلام! باہر آؤ چنانچہ وہ باہر آئے، کہا: **یا معشر الیہود ! ویلکم اتقوا اللہ ، فو اللہ الذی لا الہ الا ھو إنکم لتعلمون أنہ رسول اللہ حقا و انہ جاء بحق**، یہود کی جماعت! تمہاری بربادی ہو، اللہ سے ڈرو، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تم جانتے ہو کہ وہ اللہ کے رسولِ برحق ہیں اور حق لے کر آئے ہیں تو ان لوگوں نے جواب میں کہا تو جھوٹا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نکال باہر کیا۔ (دلائل النبوۃ: ۲/ ۳۸۷-۳۸۸)

گوشۂ سیرت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طیبہ آمد اور انصار کا والہانہ استقبال

از: مرتب*

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے اور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ معروف بڑی عمر کے آدمی کی طرح معلوم ہوتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غیر معروف نوجوان کے مثل، کوئی صدیق اکبرؓ سے پوچھتا کہ ابوبکر! یہ تمہارے آگے آگے کون صاحب ہیں؟ تو جواب دیتے کہ وہ میرے راہبر ہیں، سائل سمجھتا کہ وہ منزل کا راستہ دکھانے والا ہے، حالاں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد راہِ خیر کی راہ نمائی کرنے والا تھی۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ پیچھے مڑ کے دیکھے تو ایک شہ سوار قریب تک آ پہنچا آنھوں نے حضور علیہ السلام کو اطلاع دی! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ سے دعا کی اے اللہ! اسے زمین پر گرا دیجیے تو وہ گھوڑے سمیت گر گیا پھر وہ گھوڑا ہانپتے ہوئے اٹھا تو اس شخص نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ کا ہر حکم سننے کے لئے تیار ہوں، تو آپ نے فرمایا کہ یہیں رہو اور کسی کو ہم تک پہنچنے مت دو۔ یہ شخص صبح کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی گرفتاری کے ارادے سے نکلا تھا لیکن شام ہوتے ہوتے خود اسیر بن گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مقامِ حرّہ کی طرف سے مدینے میں داخل ہوئے اور انصار کو اطلاع ملتے ہی والہانہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آدابِ سلام بجالائے اور حضور علیہ السلام اور صدیقِ ابوبکرؓ کو اپنی مسلح حصار اور حفظ و امان میں لے کر مدینے میں داخل ہوئے، مدینہ کا ہر باسی استقبال میں کہہ رہا تھا **جاء رسول اللہ جاء رسول اللہ** (رسول اللہ تشریف لائے رسول اللہ تشریف لائے) اور ہر ایک کی زبان پر **جاء نبی اللہ جاء نبی اللہ** (اللہ کے نبی آگئے، اللہ کے نبی آگئے) کے فرحت انگیز نعرے تھے، آپ چلتے رہے یہاں تک کہ جب حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر تک پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا: ہمارے گھروں کے سب سے قریب کون ہے؟ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے عرض کیا: میں قریب ہوں یا رسول اللہ! یہ میرا گھر اور اس کا بابُ الداخلہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جاؤ بھائی! قیلولہ کا نظم کرو، چنانچہ انھوں نے نظم کر کے اطلاع دی کہ آرام گاہ تیار ہے، **علی برکۃ اللہ** (قدومِ میمنت لزوم) تشریف لائیے اور قیام فرمائیے، چنانچہ اِن دونوں حضرات نے قیلولہ کیا۔ (بقیہ صفحہ ۲۲ پر)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

برہ بنت ابی تجراۃؓ

از: مولانا مفتی رفیع حنیف صاحب قاسمی*

نام ونسب:

یہ ایک عظیم صحابیہ ہیں، جنہوں نے اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست روایات نقل کی، ان کا نام نامی اسم گرامی ''برہ بنت أبی تجرأۃ'' ہے، والد کا نام ''یسار'' اور لقب ''ابوفکیہ'' یہ صحابیہ ''عبدریہ'' کی نسبت سے جانی جاتی ہیں، وہ بنوعبدالدار کی حلیفہ اور مکیہ تھیں۔

قبول اسلام:

حضرتِ برہؓ نہ صرف براہ راست اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے شرف دیدار سے مشرف ہوئیں؛ بلکہ یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے کئی ایک روایتیں بھی نقل ہیں۔

روایت حدیث میں تلامذہ:

ان کی روایت کردہ احادیث کونقل کرنے والے شاگردوں میں صفیہ بنت شیبہ، عمیرہ بنت عبداللہ بن کعب بن مالک، صفیہ ام منصور بن عبدالرحمن وغیرہ اور یہ خواتین ثقہ ومعروف راویات میں شمار ہوتی ہیں۔ ''روت عنها صفية بنت شيبة، وعميرة بنت عبدالله بن كعب بن مالك'۔

(اسد الغابة، برۃ بنت أبی تجراۃ: ۷: ۳۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

مروی احادیث:

ان کی نبی کریم ﷺ سے کئی ایک روایتیں منقول ہیں، جن میں چندایک یہ ہیں:

(۱) حدیث سعی

عن منصور الحجبی عن أمه عن برة بنت ابی تجرأة قالت: رأيت رسول الله ﷺ حين

* استاذ فقہ وادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدرآباد

انتهى إلى المسعى قال: اسعوا فإن الله كتب عليكم السعى"، فرأيته يسعى حتى بدت ركبتاه من انكشاف إزاره" (معرفۃ الصحابہ لابن نعیم: برۃ بنت ابی تجرأۃ العبدریہ: ۳۲۷۵/۶، دار الوطن للنشر، الریاض)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ سعی پر دیکھا آپ نے فرمایا: سعی کرو، اللہ نے سعی کو لازم کیا ہے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سعی کرتے دیکھا یہاں تک کہ گھٹنے ظاہر ہو گئے۔

(۲) حدیث دلیل نبوت:

عن منصور عن عبد الرحمن بن عبد الرحمن عن أمه، عن برة بنت أبى تجرأة قالت: إن رسول الله ﷺ حين أراد الله به كرامته وابتدأ بالنبوة، كان إذا خرج لحاجته أبعد حتى لا يرى بيتا، ويفضى إلى الشعاب وبطون الأودية، فلا يمر بحجر ولا شجر إلا قالت: السلام عليك يا رسول الله، فيلتفت عن يمينه وشماله وخلفه فلا يرى شيئا"

(الطبقات الکبری لابن سعد: ۱۹۴/۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت برہ بنت ابی تجراۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کرامت کا ارادہ فرمایا اور نبوت کا آغاز ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو اتنی دور جاتے کہ کوئی گھر نظر نہ آتا، اور پہاڑی دروں اور وادیوں کے اندر داخل ہو جاتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے، وہ کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں، بائیں اور پیچھے دیکھتے، مگر کوئی نظر نہ آتا۔)

وفات

ان صحابیہ کے دیگر احوال نہیں ملتے۔

اصلاحی مضامین

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا تین نکاتی احتسابی فارمولا

ازقلم: حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خاندان بنو امیہ کے نامور چشم و چراغ اور خلفاء اسلام میں مثالی کردار کے حامل حکمران شمار ہوتے ہیں، ان کا تعلق تابعین کے طبقہ سے ہے جو صحابہ کرامؓ کے بعد امت کا سب سے بہترین طبقہ ہے اور وہ اپنے دور کے ممتاز عالم دین، محدث اور صالح بزرگ تھے۔ ان کے والد عبد العزیزؒ کئی سال تک مصر کے گورنر رہے اور وہ خود خلیفہ بننے سے پہلے حجاز کے والی رہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلیفۂ وقت عبد الملک بن مروان کے بھتیجے اور داماد تھے اور شاہی خاندان کے ممتاز ترین افراد میں سے تھے، انہیں اموی خلیفہ سلیمان بن عبد الملکؒ نے اپنا جانشین نامزد کیا اور وہ ان کی وفات کے بعد صفر ۹۹ ہجری میں خلافت پر متمکن ہوئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا پایۂ تخت دمشق تھا اور وہ اپنے دور میں پوری دنیائے اسلام کے واحد حکمران تھے۔ ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جب شاہی خاندان نے خلیفہ سلیمان بن عبد الملکؒ کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تو انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دمشق کی جامع مسجد میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ خلیفہ کا انتخاب عوام کا حق ہے اور وہ خود کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے، اس لیے عوام کو ان کا حقِ اختیار و انتخاب واپس کرتے ہیں کہ وہ ان کے بجائے جس شخص کو چاہیں اپنا حکمران منتخب کرلیں۔ مگر عوام نے بیک آواز انہی کے حق میں فیصلہ دیا اور کہا کہ ان کے بغیر اور کوئی خلیفہ انہیں قبول نہیں ہوگا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے جس مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا وہ یہی تھا کہ بیت المال (قومی خزانہ) کا کم و بیش اسی فیصد حصہ شاہی خاندان اور اس کے منظور نظر افراد کی تحویل میں تھا اور قومی معیشت بدحالی کا شکار تھی۔ اس لیے انہیں بیت المال کی دولت اور اثاثے ناجائز طور پر قابض افراد سے واپس لینا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ترجیحات میں سب سے پہلا نمبر اسی کو دیا اور خلافت سنبھالتے ہی اس مشن کا آغاز کر دیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے جو عملی طریق کار اختیار کیا اسے تین حصوں یا نکات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ان تینوں پر انہوں نے بیک وقت عمل درآمد کا آغاز کیا۔

(۱) سب سے پہلے انہوں نے ذاتی زندگی کو یکسر تبدیل کیا اور شہزادگی کے دور میں وہ سہولت اور تعیش کے جن معاملات کے عادی ہو گئے تھے انہیں ترک کر دیا۔ ان کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ اپنے دور کے انتہائی خوش پوش افراد میں سے تھے، عمدہ ترین لباس پہنتے اور کوئی لباس ایک بار سے زائد ان کے جسم سے نہ لگ پاتا۔ حتیٰ کہ ایک دور میں جب وہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے، ان کا ذاتی سامان تیس اونٹوں پر لاد کر دمشق سے مدینہ منورہ جایا کرتا تھا اور ان کے علم اور تقویٰ کے باوجود ان کے معاصرین ان کی نفاست پسندی اور خوش پوشی پر تنقید کیا کرتے تھے۔ مگر خلافت سنبھالتے ہی ان کا مزاج بالکل تبدیل ہو گیا۔ خلافت کی عوامی بیعت کے بعد جامع مسجد سے نکلتے ہوئے انہیں شاہی گھوڑوں کا دستہ سواری کے لیے پیش کیا گیا تو انہوں نے واپس کر دیا اور کہا کہ میرے سواری کے لیے خچر کافی ہے۔ انہوں نے اس معاملہ میں اپنی ذات اور اہل خاندان پر اتنی سختی کی کہ ان کے نانا محترم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی یاد ایک بار پھر تازہ ہوئی اور اسی لیے انہیں ''عمر ثانی'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۲) دوسری بات انہوں نے یہ کی کہ وصولیوں کا سارا وزن انہوں نے بڑے لوگوں پر ڈالا اور اس کا آغاز خود اپنی ذات سے کیا۔ ان کے پاس فدک کا باغ چلا آتا تھا جو بیت المال کی ملکیت تھا، سب سے پہلے انہوں نے وہ باغ بیت المال کو واپس کیا۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت عبد الملکؒ کے پاس ایک قیمتی ہار تھا جو انہیں ان کے والد محترم خلیفہ عبد الملک بن مروانؒ نے شادی کے موقع پر دیا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اسے بیت المال کی ملکیت قرار دے کر واپس کر دیا۔ اس کے بعد خاندانِ خلافت کا اجلاس طلب کیا اور ان سے کہا کہ انہیں بعض سابق خلفاء کی طرف سے جو جاگیریں اور عطیات دیے گئے تھے وہ بیت المال کی ملکیت تھے اور ان پر ان کا کوئی حق نہیں ہے اس لیے وہ انہیں واپس کر دیں۔ خاندان کے سرکردہ حضرات نے اس پر احتجاج کیا اور سب سے زیادہ ہشام بن عبد الملکؒ نے اس پر زور دیا کہ انہیں ماضی کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیے، وہ اپنے دورِ خلافت کے مسائل نمٹائیں اور سابقہ خلفاء کے فیصلوں کو نہ چھیڑیں۔ اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے دو باتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ ہشام بن عبد الملکؒ سے پوچھا کہ اگر ان کے پاس دو دستاویزات ہوں، ایک ان کے والد محترم عبد الملک بن مروانؒ کی طرف سے ہو اور دوسری خلافت بنو امیہ کے بانی حضرت معاویہؓ کی طرف سے ہو تو وہ کس دستاویز کو ترجیح دیں گے؟ ہشامؒ نے جواب دیا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی دستاویز کو ترجیح دیں گے اس لیے کہ وہ پہلے کی ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ ان کے پاس اس سے بھی پہلے کی دستاویز موجود ہے جو اللہ کی کتاب ہے اس لیے وہ اس پر عمل کو ترجیح دیتے ہیں۔ دوسری بات انہوں نے یہ

دریافت فرمائی کہ اگر کوئی شخص فوت ہوجائے اور اس کی اولاد میں سے ایک یا دو طاقتور افراد ساری جائیداد پر قبضہ کرکے باقی ورثاء کو محروم کردیں اور کسی وقت آپ کو یہ اختیار حاصل ہوجائے کہ آپ ان کے درمیان انصاف کرسکتے ہوں تو آپ کیا کریں گے؟ ہشامؒ نے جواب دیا کہ میں قبضہ کرنے والوں سے جائیداد واپس لے کر سب ورثاء میں اصول کے مطابق تقسیم کردوں گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ میں بھی یہی کچھ کرنے لگا ہوں۔ چنانچہ خلافت کے خاندان کو ان کے بے لچک رویہ کے آگے سپر انداز ہونا پڑا اور بیت المال کی ساری دولت اور اثاثے دو ہفتے کے اندر قومی خزانے میں واپس آگئے۔

(۳) تیسرا معاملہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ کیا کہ عام لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک اختیار کیا اور سابقہ حکمرانوں کی طرف سے کیے جانے والے بہت سے سخت اقدامات انہوں نے واپس لے لیے۔ متعدد ٹیکس منسوخ کردیے، عوام سے ٹیکسوں کی وصولی کا طریق کار آسان کردیا، بالخصوص غیر مسلموں پر کی جانے والی زیادتیوں کا نوٹس لیا اور انہیں بہت سی سہولتیں فراہم کیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ اپنے حصہ کے واجبات خوشی سے ادا کرنے لگے اور بیت المال کی معاشی حالت مستحکم سے مستحکم تر ہوتی چلی گئی۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خود ایک بار فرمایا کہ عراق کے صوبہ میں لوگوں سے ٹیکسوں کی وصولی میں حجاج بن یوسفؒ کے دور میں بہت سختی ہوتی تھی اور متعدد ناجائز ٹیکس بھی لگائے گئے تھے اس کے باوجود عراق سے مرکز کو وصول ہونے والی رقم کبھی دو کروڑ اسی لاکھ درہم سے نہیں بڑھی مگر میں نے وصولی کا نظام آسان کردیا ہے اور بہت سے ٹیکس ختم کردیے ہیں جس کی برکت سے میرے دور میں عراق سے مرکز کو وصول ہونے والی رقم سالانہ بارہ کروڑ درہم تک پہنچ گئی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صرف اڑھائی سال حکومت کی مگر ان کے اقدامات اور طریق کار کی برکت سے اتنے مختصر عرصہ میں نہ صرف بیت المال مستحکم ہوا اور اس کے اثاثے واپس ملنے کے ساتھ ساتھ اس کی آمدنی میں بے تحاشا اضافہ ہوا بلکہ عام لوگوں تک خوشحالی کے اثرات پہنچے۔ تاریخ کی روایات بتاتی ہیں کہ اس دور میں زکوٰۃ ادا کرنے والے اپنی زکوٰۃ کی رقم لے کر بازاروں میں گھومتے اور آوازیں دیتے تھے کہ کوئی مستحق ہو تو ان سے زکوٰۃ وصول کرے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوں مگر معاشرے میں کوئی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ملتا تھا۔ اس لیے ہم حکومت سے گزارش کرتے ہیں کہ اگر وہ احتساب کے سلسلہ میں اپنے عزم اور اعلان کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس تین نکاتی فارمولا کو اپنائیں اور اس درویش صفت خلیفہ کے حالات زندگی کا بار بار مطالعہ کرکے اس کی پیروی کریں، انشاءاللہ وہ بہت جلد اپنے ہدف کو پالیں گے اور قوم حقیقی خوشحالی کے دور میں قدم رکھ سکے گی۔

اصلاحی مضامین

احتسابِ اعمال کی ضرورت

ازقلم: مفتی منور قاسمی*

ہم سب مسلمان ہیں، اللہ نے ہمیں ایمان کی دولت سے مالا مال کیا ہے، ہمارے عقائد میں سے ایک اہم اور بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ہم یہاں جو کچھ بھی کرتے یا بولتے ہیں مرنے کے بعد ان سب کا حساب دینا پڑے گا، اور ہمارے ہر طرح کے اچھے برے کام ہم کو دکھا دیے جائیں گے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: فَمَن يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ۔ وَمَن يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (سورۃ الزلزال: ۷،۸) کہ: جو ذرہ برابر بھی نیک کام کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جو ذرہ برابر بھی برا کام کرے گا وہ اس کو بھی دیکھ لے گا، ہم سال 2025 کی ایک طویل مدت گذار کر اب ایک نئے سال 2026 میں داخل ہو چکے ہیں، سال دو ہزار پچیس میں ہم نے کیا کھویا کیا پایا؟ کونسا کام شریعت کے مطابق کیا اور کونسا کام شریعت کے خلاف کیا؟ ان سب کا محاسبہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ہم سب آخرت کے تاجر ہیں، اور دنیا میں وہی تاجر کامیاب ہوتا ہے جو اپنے کاروبار کا حساب کتاب رکھتا ہے، اپنا سرمایہ لگانے کے بعد بالکل بے فکر نہیں ہو جاتا؛ بل کہ کوئی یومیہ، کوئی ہفتہ وار کوئی ماہانہ اور کوئی سالانہ اس کا حساب کتاب کرتا ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ ہم نے سرمایہ صحیح مقام پر صرف کیا ہے یا نامناسب مقام پر؟ اسی طرح ہم سالِ گذشتہ کا محاسبہ کریں کہ ہم نے کتنی نمازیں ادا کی اور کتنی میں لا پرواہی برتی؟ ہم نے حلال روزی کمائی یا مشتبہ اور حرام روزی؟ ہم نے کس کو ستایا اور تکلیف پہونچائی؟ ہمارے عمل سے کسی کا نقصان تو نہیں ہوا؟ ہماری زبان سے کوئی ایسی بات تو نہیں نکل گئی جو دوسروں کے لیے جان لیوا یا مشکل میں ڈالنے والی ہو؟ ہمارے رویے سے کسی کے کاروبار میں کوئی کمی تو نہیں آئی؟ ہمارے اسلوبِ گفتگو سے کسی کی عزت پر حملہ تو نہیں ہوا؟ ہم نے سال بھر اپنے گھر، خاندان اور محلے والوں کے ساتھ کیا کیا؟ ہم نے اپنے گھر والوں کو دین کی طرف مائل کرنے میں کتنی محنت کی؟ ان کے ایمان کو بچانے کے لیے کتنی فکر کی؟ ہماری اولاد میں سے کس کس کو نمازی بنایا؟ کس کس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا سکہ دل میں بٹھایا؟ ہم نے دینی تعلیم میں کس حد تک ان کو آگے بڑھانے کی کوشش کی؟ اخلاقی تعلیم کتنی دی؟ معاشرے اور سماج میں کیسے رہنا چاہیے؟

* استاذ ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر

لوگوں؛خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ یہ سب باتیں کتنی سکھائیں؟

الغرض! ہم سال بھر کے اقوال وافعال کا جائزہ لیں، پھر غور کریں کہ ہم نے کونسا کام غلط کیا؟ کونسی بات غلط بولی؟ کونسا طرز نامناسب اختیار کیا؟ معاشرے اور سماج میں کیا خامی نظر آئی؟ ہم ان سب امور کا محاسبہ کرنے اور جائزہ لینے کے بعد 2026 کے لیے ایک لائحۂ عمل تیار کریں، ذہن میں خاکہ بنائیں کہ ہم نے گذشتہ سال جو اچھے کام کیے ان کو مزید بہتر بنانے کی کوشش اور فکر کریں گے، اور جن اچھے کاموں میں سستی، لاپرواہی اور غفلت برتی تھی ان کو اس سال اچھی طرح انجام دیں گے، ان میں اس سال سستی نہیں کریں گے، ان میں غفلت نہیں برتیں گے، مثلاً سالِ گذشتہ نمازوں میں اگر کوتاہی ہوئی تھی اس سال ہم ایک ایسی ترتیب بنائیں اور ایسا پختہ ارادہ اور عزمِ مصمم کریں کہ نمازیں اچھی طرح ادا ہوسکے، ہم سے کوئی نماز نہ چھوٹ پائے، سنتوں کا اہتمام کریں، جماعت کے ساتھ مسجد میں تکبیرِ اولی کے ساتھ پڑھنے کی فکر کریں، اگر سالِ گذشتہ ہمارے قول سے، عمل سے، رویے سے اور حرکت سے کسی کو تکلیف ہوئی تھی تو ہم ان سے معافی مانگیں، ان کے دل کو خوش کریں؛ کیوں کہ ہم بشر ہیں، ہم فطری طور پر کمزور ہیں، قرآن کریم نے خود اس کی شہادت دی ہے وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا (سورۃ النساء:۲۸) کہ انسان اپنے ارادے میں کمزور پیدا ہوا ہے، انسان چاہتا ہے ہم سب کے ساتھ مل جل کر اور محبت سے رہیں؛ لیکن کبھی حالات کی وجہ سے نااتفاقی اور ناچاقی ہوجاتی ہے، گویا کہ جو اس نے ارادہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کرڈالی؛ اس لیے اللہ نے اس کی تلافی کی شکل پیدا فرمادی کہ اگر وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں، اور اگر حقوق العباد سے متعلق ہوں تو بندوں سے معافی مانگ لیں، اسی طرح اگر کسی مجبوری اور وقتی ضرورت کی وجہ سے ہم نے مشتبہ یا حرام مال کو استعمال کرلیا، تو اس سال اس سے بچنے کا ارادہ کریں، ایسا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کریں کہ جس سے مشتبہ مال کو استعمال کرنے کی ضرورت نہ پڑے، ابتداءً پریشانی ہوگی، دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا؛ لیکن اس کی برکت سے ان شاء اللہ ایسا راستہ ہموار ہوگا کہ ہم بہ سہولت حرام مال سے بچ سکیں گے۔

پس حاصلِ کلام یہ ہے کہ گذشتہ سال کی خوبیوں کو اس سال مزید بہتر بنانے کی کوشش کریں، غلط کاموں کو چھوڑنے کا عہد کریں، اور یہ سوچ کر اس سال کا آغاز کریں کہ ان شاء اللہ ہمارا یہ سال گذشتہ سال کے مقابلے میں علمی، عملی، اخلاقی اور دوسرے تمام پہلوؤں سے بہتر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا محاسبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

اصلاحی مضامین

نیا سال پرانا پیغام

(کیا کریں؟ کیا نہ کریں!)

از قلم: مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگری*

جوں ہی ایک سال رخصت ہو کر نئے سال کی آمد ہوتی ہے تو عالمی پیمانے پر نیو اِیئر نائٹ بڑے زور وشور کے ساتھ منایا جاتا ہے، یورپ وامریکہ میں تو یہ باقاعدہ ایک تہوار ہے جس کے تئیں کروڑوں کی لاگت خرچ کی جاتی ہے، انہیں کی دیکھا دیکھی اب مسلم ممالک اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے نزدیک بھی نیو ایئر سلبریٹ کرنے کا رجحان عام ہو گیا ہے، مسلم ممالک کے علاوہ برصغیر کے مسلمان بھی دسمبر کی آخری تاریخ کو گھروں میں، ہوٹلوں میں دوست واحباب کے حلقوں میں کیک کٹنگ اور پارٹی وغیرہ جیسے بے مقصد امور بلکہ شرعاً ناپسندیدہ وممنوع اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں، جب کہ ایک مومن کو بحیثیت محمدی ہونے کے ان چیزوں سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے، محبوب کائنات سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفی ﷺ کو اغیار کی نقالی اور ان کی تہذیبوں کا اتباع کس قدر ناپسندیدہ ہے اس کے لیے یہ دو روایات کافی ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نبی کریم ﷺ کے پاس تورات کا ایک نسخہ لے کر آئے اور اس میں سے کچھ پڑھنے لگے، تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں: میں نے حضرت عمرؓ سے کہا: اے عمرؓ! کیا تم رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو نہیں دیکھ رہے؟ حضرت عمرؓ نے فوراً وہ صحیفہ رکھ دیا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ مُوسَى كَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میرے اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ (مسند احمد: حدیث نمبر 15156)

* خادم تدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

ایک اور روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا تو صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو ایسا دن ہے جس کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو ضرور نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1134)

پہلے واقعے پر غور کریں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے بابت خود فرمان نبوی "اشدھم فی امر اللہ عمر" وارد ہے جو نسخے تورات کے پڑھ رہے تھے تو کوئی ناجائز باتیں تو نہیں تھی ہوں گی، اس کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت نے اس کو برداشت نہیں کیا کہ شریعت محمدیہ کی جامع تعلیمات فراہم ہونے کے بعد کسی دوسری شریعت کا اتباع کیا جائے یا اس کی چیزوں کو پسند کیا جائے، آپ نے کھرے اور صاف انداز میں فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام باحیات ہوتے تو ان کے لیے بھی میری پیروی کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے اور دوسرے واقعے میں یوم عاشوراء کے روزے کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ رکھنے کی آپ نے خواہش ظاہر فرمائی تا کہ یہود کی مخالفت ظاہر ہو، اب اس حدیث کا باریکی سے جائزہ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعمال صالحہ میں تک یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے احتراز کرنے ترغیب دی ہے تو منکرات و معاصی میں ان کی پیروی کرنا اور ان کے آوارہ کلچر سے مرعوب ہو کر نیو ایئر وغیرہ جیسی خرافات منانا کس درجے گناہ کی بات ہوگی، وہ بھی ایسے وقت جب کہ ساری دنیا میں کھلے عام شراب پی جا رہی ہو، ناچ گانا اور مرد و زن کی مخلوط محفلیں آباد ہوں، بدکاری و زنا کا بازار گرم ہو اور خالق کائنات اللہ رب العزت والجلال بندوں کی ان حرکتوں پر انتہائی ناراض ہوں، ایسے وقت میں اللہ کے ماننے والے رسول کی شریعت کا علم رکھنے والے مومن بندے بھی ان ممنوع اعمال میں مبتلا ہو جائیں تو پھر ہماری کمبختی اور تباہی کے لیے کیا باقی رہ جاتا ہے۔

قارئین! سالوں کا گزرنا اور نئے سالوں کی آمد خوشی منانے کا نہیں بلکہ غم کرنے اور زندگی کا محاسبہ کرنے کا وقت ہے کیوں کہ انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ خود اس کی زندگی ہے، عقلمند انسان کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے سرمائے کے گھٹنے اور متاع حیات کے کم ہونے پر فکرمند ہو جائے اور باقی ماندہ سرمائے کے صحیح استعمال کی کوشش کرے، قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی جامع بات ارشاد فرمائی ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (العصر) "یقیناً انسان خسارے میں ہے"

یہ آیت انسان کو دعوت احتساب دیتی ہے کہ اے انسان! تو ہر لمحہ گھاٹے میں ہے، ہر آن تیری شجر حیات کا ایک پتہ گر رہا ہے، ہر گھڑی تیری زندگی کے دیوار کی ایک اینٹ نکلتی جا رہی ہے، ہر لحظہ تیرے زیست کی مدت

گھٹ رہی ہے اور ہر پَل تو زندگی کے پُل کو عبور کر کے موت کے قریب ہوتا جا رہا ہے، ایسے میں تو تجھے ہر طرح سے چوکنا اور حساس ہونا چاہیے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک برف فروش تاجر کو دیکھ کر زندگی کی حقیقت سمجھ میں آئی، میں نے دیکھا کہ وہ بازار میں لوگوں سے چلا چلا کر کہہ رہا ہے کہ لوگو! میرے ساتھ سودا کرلو، دیگر تجار کا سرمایہ بک گیا تو نفع ہے نہ بکے تو محفوظ رہے گا، لیکن میرا مال تجارت ایسا ہے کہ جتنا تاخیر ہوتی رہے گی اسی قدر گھٹتا رہے گا اور میرے نقصان میں اضافہ ہوتا رہے گا، اگر شام تک کسی نے میرے ساتھ معاملہ نہیں کیا تو میں مکمل طور پر خسارہ وگھاٹے کا شکار ہو جاؤں گا اور بغیر کسی نفع کے مجھے خائب وخاسر لوٹنا ہوگا؛ بالکل زندگی کی مثال بھی کچھ ایسی ہی ہے:

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم
رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بہ دم

اللہ تعالی نے انسان کو زندگی بطور امانت دی ہے تا کہ وہ اس کو اعمال صالحہ سے پُر کرے، خدا کی اطاعت و بندگی سے آباد کرے، فضول و لایعنی کاموں سے اجتناب کرے، معاصی ومنکرات میں مبتلا ہو کر اس کو برباد نہ کرے، اس گھر کے لیے جہاں اس کو ابدالآباد تک کے لیے رہنا ہے، جو اس کا دائمی مستقر وٹھکانہ ہے سامان اکٹھا کرے، اگر نہیں کیا اور زندگی کے امانت ہونے کے احساس کو بھلا کر بے مقصد چیزوں میں سرمایۂ وقت کو ضائع کیا تو پھر بروز محشر افسوس کے ساتھ کہتے پھرے گا: "یالیتنی قدمت لحیاتی" (الفجر) اے کاش! میں اپنی (اخروی) زندگی کے لیے بھی کچھ عمل آگے بھیجتا۔

سورہ حم سجدہ میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ: وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذِ ٱلْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا۟ رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَٱرْجِعْنَا نَعْمَلْ صَٰلِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ (حم السجدہ)

اور کاش تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے (کھڑے) ہوں گے، (کہہ رہے ہوں گے کہ) ہمارے پروردگار! ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے، اس لیے ہمیں (دنیا میں) دوبارہ بھیج دیجیے، تا کہ ہم نیک عمل کریں۔ ہمیں اب اچھی طرح یقین آچکا ہے۔

جب انسان اپنی موت دیکھتا ہے تو پھر اس کی زبان پر بڑے ہی عجیب کلمات جاری ہوتے ہیں، کہتا ہے کہ اے رب العالمین! اب تو حقیقت ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور کانوں سے سن لی، لہٰذا آپ ہمیں ایک موقع دے کر دوبارہ دنیا میں بھیج دیں ہم اس دفعہ بھرپور عمل کریں گے، لیکن اب موقع کہاں رہا!

وقت بڑا غیور ہے، وہ کسی ہم سفر کا منتظر نہیں رہتا، وہ تو بس چلتا رہتا ہے حتی کہ آخر کار انسان کے وقت

رحلت آ پہونچتا ہے، تب انسان حسرت و افسوس کرتا ہے جب کہ دانش مندی یہ ہے کہ بعد میں پچھتانے کے بجائے اب قدر کریں، آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: ''الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا، وَتَمَنَّى عَلَى اللهِ الْأَمَانِيَّ''(سنن الترمذی:2459،حسن) عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد (آخرت) کے لیے عمل کرے، اور نادان وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا دے اور اللہ سے (بے عملی کے ساتھ) آرزوئیں باندھے۔

حدیث رسول کے مطابق آخرت کو فراموش کرنا اور دنیا کی رنگینیوں اور رعنائیوں میں کھو جانا حماقت و بے وقوفی ہے، اس کے باوجود آج امت مسلمہ خواہشات کی دل دادہ ہوگئی ہے، یورپ کے آوارہ کلچر کی اسیر بن گئی ہے۔

آج ضرورت ہے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کی پیروی کے بجائے حضرات صحابہ و سلف صالحین کی زندگیوں کو سامنے رکھیں، دیکھیں کہ وہ کیسے اللہ کی جانب سے عطا کردہ اس حیات مستعار کے قدردان تھے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ ایام تمہاری عمروں کے صحیفے ہیں، اچھے اعمال سے ان کو دوام بخشو۔

(کتاب قصر الأمل لابن أبی الدنیا)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں کسی چیز پر اتنا نادم اور شرمندہ نہیں ہوا جتنا کہ ایسے دن کے گزرنے پر جس کا سورج غروب ہوگیا اور میرا ایک دن کم ہوگیا اور اس دن میں میرے عمل میں اضافہ نہ ہوسکا۔(قیمۃ الزمن عند العلماء،ص:۲۷)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: اے ابن آدم! تو ایام ہی کا مجموعہ ہے، جب ایک دن گزر گیا تو یوں سمجھ تیرا ایک حصہ بھی گزر گیا۔(حوالہ بالا)

آپؒ ہی کا ایک ارشاد ہے: میں نے ایسے لوگوں کو پایا جو اپنے وقت کی حفاظت کرنے میں تمہارے اپنے مالوں کی حفاظت کرنے سے زیادہ سخت (حساس) تھے۔(تلبیس ابلیس)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وقت تلوار کی مانند ہے، اگر تم نے اسے نہ کاٹا تو یہ تمہیں کاٹ دے گا۔

(مناقب شافعی)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقت کو ضائع کرنا موت سے بھی زیادہ سخت ہے اس لیے کہ موت سے انسان کا دنیاوی نقصان ہوتا ہے اور وقت کی بربادی سے آخرت کا نقصان ہوتا ہے۔(الداء والدواء)

ظاہر ہے کہ اخروی نقصان دنیاوی نقصان کے بالمقابل بہت بڑی چیز ہے، دنیاوی نقصان کی تلافی ممکن ہے لیکن آخرت میں تلافی کی کوئی شکل نہیں رہتی۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اہلِ جنت پر سب سے زیادہ حسرت اس گھڑی کی ہوگی جو ان پر گزری اور اس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

اہل جنت کو جنت جیسی عظیم نعمت جو کہ انسانی زندگی کا مقصود و منتہا ہے اس کے حصول کے بعد بھی اپنے فارغ اوقات پر حسرت ہوگی تو وہ لوگ سوچیں جن کا انجام ہی طے نہیں ہے، جو قیامت کے دن اپنے اعمال نامے کو لے کر پریشان ہوں گے، وہ کس قدر کوفت و کرب سے گزریں گے؟ ان کو اپنی بربادیٔ اوقات پر کیا کچھ ندامت ہوگی؟

۲۰۲۶ دنیوی اعتبار سے اگرچہ نیا سال ہے لیکن پیغام پرانا ہے، وہی پیغام جو تقریباً ساڑھے چودہ سو سال قبل نبی علیہ السلام نے دیا تھا، ایک نئے سال کا آغاز شرعاً کوئی معنیٰ نہیں رکھتا لیکن انسان کی نفسیات پر ظاہری چیزوں کا بہت اثر ہوتا ہے، وہ احوال و حوادث کو سامنے رکھ کر امورِ زندگی کی تنظیم و ترتیب انجام دیتا ہے، لہذا اسی نئے سال کی آمد کو بہانہ بنا کر زندگی کے رخ کو موڑنے کی فکر کریں، اللہ پاک سے تعلق مضبوط کرنے کی سعی کریں، اپنے علم و عمل کے دائرے کو وسیع کرنے اور اپنی استعداد کو نکھارنے، دنیاوی منافع حاصل کرنے، ساتھ ہی آخرت کے لیے اعمال اکٹھا کرنے کی کوشش کریں، پتہ نہیں کونسا سال زندگی کا آخری ہو، اگر اللہ نے زندگی دی تو یہ سال ایسے گزاریں کہ آئندہ سال کی شروعات میں ہم اس سال کا جائزہ لیں تو اپنی زندگی میں نمایاں فرق اور دینی و دنیاوی اعتبار سے خاطر خواہ نفع محسوس کریں۔

اصلاحی مضامین

مغربی تہذیب کے اثرات اور ہمارا معاشرہ

از قلم: مفتی محمد سلمان قاسمی کریم نگری

یہ ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہم مسلمانوں کے رگ و پے میں مغربی تہذیب کا ہر طریقہ سرایت کرتا جارہا ہے ان کا طرزِ زیست آہستہ آہستہ ہمارے مسلمان بھائیوں کے لئے جزو لاینفک بنتا جارہا ہے، انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک، عبادات سے لے کر معاملات تک، نشست و برخاست سے لے کر خورد و نوش تک، لباس کے انتخاب سے لے کر غیر ضروری تہواروں کے منانے تک الغرض زندگی کے ہر گوشے میں مغربی تہذیب پروان چڑھتی جارہی ہے ان ہی میں سے ایک نئے سال کی آمد پر ہمارے مسلم معاشرے کا وہ کردار ہے جو اسلامی تعلیمات کی دھجیاں اڑا رہا ہے اور مسلمانوں کے مغربی تہذیب کا دلدادہ ہونے کا ثبوت دے رہا ہے کیونکہ نئے سال کی آمد پر ہمارے معاشرے میں کس قسم کی بدتمیزیاں ہوتی ہیں وہ ہم سب سے مخفی نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ آخر نئے سال پر ایسا کیا نیا کارنامہ پیش آتا ہے یا ایسی کونسی خوشی ملتی ہے کہ ساری دنیا کیک کاٹنے، ایک دوسرے کو مبارکباد دینے اور جشن منانے کے لئے بے تاب رہتی ہے، اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو نئے سال میں کوئی نیا پن ہی نہیں ہے کیونکہ پچھلے برسوں کی طرح یہ بھی اپنے بارہ مہینے کی میعاد بسر کر کے چلا جائے گا، نہ آسمان بدلے گا نہ زمین بدلے گی، دن کی روشنی بھی وہی ہوگی اور تاروں بھری رات بھی وہی ہوگی، بلکہ اُلٹا ہوگا یہ کہ ہماری زندگی سے ایک سال کی عمر گھٹ جائے گی اور ہم موت سے ایک سال قریب ہو جائیں گے، بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ نئے سال کو تہوار کے طور پر منانا یہ مغربیت کی پروردہ ہے کیونکہ نئے سال کے منانے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جو چیز مغربی تہذیب ایجاد کرتی ہے یا کوئی تہوار جسے وہ منظرِ عام پر لاتی ہے ساری دنیا خصوصاً عام مسلمان اس کو ترقی کا معیار سمجھنے لگتے ہیں اور اسی کے پیچھے اپنے قیمتی وقت اور مال کو ضائع کرنے سے گریز نہیں کرتے ہیں مغرب کی اتباع کرنا اور اس کی نقل کرنا آج ہم سب کے لئے قابل ارزاں ہوگیا ہے، حالانکہ مغربی تہذیب کی جتنی ایجادات ہیں وہ سب دنیاوی

لذت وراحت حاصل کرنے کے لئے ہے اس کا آخرت سے کوئی تعلق نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مغربی تہذیب کے مقاصد کو آشکارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: " مغربی تہذیب مدتِ دراز سے یہ عقیدہ رکھتی ہیکہ لذت وراحت مادی انتفاع، سربلندی اور غلبے کے علاوہ دنیا میں کوئی اورقابلِ حصول مقصد نہیں ہے۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثرص/ 269)

موجودہ دور میں مغربی کلچر اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ساری دنیا میں فساد مچا رہا ہے، آج عالمی سطح پر جو بگاڑ پایا جارہا ہے اس سے ہر انسانی آبادی متاثر ہے، چنانچہ جہاں جہاں جمہوریت کے نام پر غریب انسانوں کا خون چوسا جارہا ہے، عریانیت وفحاشی کی وجہ سے خاندانی نظام انتشار کا شکار ہورہا ہے، جنسی بے راہ روی کی وبا نے صنف نازک کی عزت وآبرو کو غیر محفوظ بنا دیا ہے انسانیت حیوانیت کی سطح سے بھی نیچے اترتی جارہی ہے یہ عالمگیر بگاڑ سب کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے شاید اس حقیقت سے کسی کو اختلاف نہیں ہوگا کہ یہ عالمی بگاڑ کا سرچشمہ اور مرکز مغربی تہذیب ہے، یہی اس عالمی بگاڑ کی سرپرستی کررہی ہے کیوں کہ یہ بات طئے ہے کہ وہیں سے سارے فحاشی اور بے حیائی کے نت نئے پروگرام پوری دنیا میں نشر کیے جاتے ہیں وہیں سے اسلامی تعلیمات کے برخلاف طریقے ایجاد کیے جاتے ہیں اوراس طرح کے کئی منصوبے بنائے جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی مغربی تہذیب کے تعلق سے امت مسلمہ کی صورت حال بیان کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ" ایک مسلمان کا کام تو یہ تھا کہ وہ کہتا کہ بھائی! تم بڑے اچھے کاریگر ہو تم نے ایجادات بڑی اچھی کی ہے لیکن تم روح کے ماہر نہیں ہو، تم مادے کے ماہر ہو، لیکن روح ہمارے پاس ہے اور وہ قرآن وحدیث ہے ہمارے علوم ہیں روح تم ہم سے حاصل کرو اور مادہ ہم تم سے حاصل کریں گے، اگر یہ سمجھوتہ ہوجاتا تو دنیا امن کا گہوارہ بن جاتی لیکن مسلمانوں نے یہ کیا کہ بھائی تم زبردست کاریگر ہو تم ہی قابل تقلید ہو، تمہارا لباس ہی قابل تقلید ہے، تمہارا طرزِ زندگی ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے چاہے وہ سنت کے طریقے کے خلاف ہو یہ صورتحال ہماری امت میں پیدا ہوگئی ہے۔(البلاغ، 1444ھ ص/ 224)

اس وقت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے اسلامی تہذیب وتمدن اور تعلیماتِ نبوی سوہانِ روح بنی ہوئی ہے اور مغربی تہذیب تسکینِ روح بنتی جارہی ہے جس کے نتیجے میں نیوائیر نائٹ، سالگرہ ازدواج، اپریل فول، جشنِ یوم ولادت اور ویلینٹائن ڈے جیسے غیر شرعی وغیر ضروری رسوم وتہوار مسلم معاشرے کو رفتہ رفتہ الحاد ودین بیزاری کی طرف کھینچ کر لے جارہے ہیں حالاں کہ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ اسلامی تہذیب وتمدن کو اپنانے سے اس امت میں حضرت ابوذر وسلمان فارسی خبیب وخباب، ابن تیمیہ وامام غزالی عبد القادر جیلانی،

خواجہ معین الدین چشتی اور مجدد الف ثانی رحمہم اللہ جیسی عظیم، انقلابی، اتالیق وقت، صاحبِ عزیمت شخصیات پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے قلوب کو اپنے رب کی تجلی گاہ بنالیا تھا اور اپنی فطری وکسبی صلاحیتوں سے دنیائے انسانیت کومحو حیرت میں ڈالتے ہوئے تاریخ کے اوراق پر اپنی علمی فکری وروحانی مہارت وکمالات کے لازوال نقوش چھوڑ کر چشم جہاں سے اوجھل ہو گئے، اسی اسلامی تہذیب کو اپنانے کی وجہ سے جن کا باطن ظاہر سے زیادہ روشن اور تابناک ہو گیا تھا، یہی وہ لوگ ہیں جو اسلامی تعلیمات وروایات کے گرد آہنی دیوار بن کر ظاہر ہوئے اور اسلامی تہذیب کو ہر طرح کی بدعات وخرافات آلائشوں سے پاک وصاف کیا۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلامی تہذیب کو اپنائیں اور ہم مغربی تہذیب کے ایجادات اور مادی ترقیوں کو دیکھ کر اس سے متاثر ہو کر اسلامی تہذیب وتمدن کو پس پشت نہ ڈالیں، اس سلسلے میں کسی قسم کی بے اعتنائی اور بے اعتمادی کا شکار ہو بلکہ مکمل یقین اور مضبوطی کے ساتھ اسلامی تہذیب کو تھامے رکھے کیونکہ اسلام ہمارا ورثہ ہے اس دنیا میں مل جل کر رہنے کے لئے اسلام کے دامن میں وہ سب کچھ ہے جو زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔(الفاروق،شوال 1418ھ)

امت مسلمہ کو اس بات سے روشناس کرائیں کہ اسلام جس تہذیب کا علمبردار ہے وہ اللہ تعالی کی بتائی ہوئی فطری تہذیب ہے لیکن مغرب آج اس فطری تہذیب سے بالکل علیحدہ ہو چکا ہے اس کے پاس ہر طرح کے مادی وسائل ہیں لیکن وہ حقیقی سکون سے محروم ہے، لہذا اب مسلم نوجوانوں کو اس بڑے فتنے سے بچانے کے لئے دعائیں اور محنتیں کی جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلامی تہذیب کا علمبردار بنائیں اور مغربی تہذیب سے ہم سب کی ساری امت مسلمان کی حفاظت فرمائے۔آمین

اصلاحی مضامین

مسلمان "وندے ماترم" کیوں نہیں پڑھتے؟

(شریعت اور آئین ہند کے تناظر میں)

از قلم: مولانا مفتی محمد قاسم اوجھاری

ہندوستان مختلف اقوام، مختلف مذاہب، مختلف تہذیب و ثقافت اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت رکھنے والا ملک ہے۔ یہاں رہنے والی ہر قوم اور ہر مذہب کی اپنی تہذیبی اور مذہبی شناخت ہے۔ قومی ترانے، قومی گیت، قومی پرچم اور دیگر علامتیں کسی بھی ملک کی وحدت کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ لیکن ان کی قبولیت اسی وقت قائم رہتی ہے جب وہ کسی گروہ و طبقے اور مذہب کے بنیادی عقائد سے متصادم نہ ہوں۔ "وندے ماترم" ایک قدیم قومی گیت ہے، جسے قومی آزادی کی تحریک کے دوران نمایاں مقام حاصل ہوا، آج اس گیت کے 150 سال مکمل ہونے پر ہندوستانی پارلیمنٹ میں اس پر بحث ہو رہی ہے، اراکین پارلیمنٹ اپنا اپنا موقف پیش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں نے اس گیت کو پڑھنے یا گانے سے ہمیشہ گریز کیا ہے، اور یہ گریز کسی تعصب یا قومی وحدت سے فرار نہیں، بلکہ شرعی اصولوں اور آئینی آزادیوں کا منطقی نتیجہ ہے۔ اس مضمون میں اسی سوال کا تجزیہ پیش ہے کہ مسلمان وندے ماترم کیوں نہیں پڑھتے؟ اور کیا ان کا یہ موقف شریعتِ اسلام اور آئینِ ہند دونوں کے مطابق ہے؟

وندے ماترم کا تاریخی پس منظر

وندے ماترم گیت کو 1875ء کے آس پاس بنکم چندر چٹرجی نے اپنے ناول "آنند مٹھ" میں شامل کیا۔ وطن کی تعریف پر مشتمل گیت کا پہلا حصہ مسلمانوں کے نزدیک کسی حد تک قابل تسلیم ہو سکتا ہے، مگر اس کے اگلے حصوں میں وطن کو دیوی (Goddess Durga) کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اسے ماں درگا، بھاوی شکتیاں، درگا کی وندنا جیسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک کسی بھی مخلوق، دیوی، دیوتا یا وطن کو معبود بنا کر اپنی بندگی کا اظہار شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی لیے مسلمانوں نے ہر دور میں اس گیت کو پڑھنے اور گانے سے گریز کیا ہے۔

اسلام میں عبادت اور تعظیم کا اصول

(1) عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے: اسلام میں عبادت کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ قرآن مجید میں ہے: إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ (سورۃ الفاتحہ:5) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (سورۃ الانعام:162) آپ کہہ دیجیے بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ جب کسی کے سامنے ایسی بندگی یا تعظیم یا وندنا کی جائے جو عبادت یا نجات کی محتاجی پر دلالت کرے تو وہ شرک کہلاتی ہے۔

(2) شرک سے بچنے کی تاکید: قرآن مجید میں ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء:116) بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ گناہ کو جس کے لیے چاہے گا معاف کردے گا اور جو آدمی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ قرآن کریم میں ہے: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (سورۃ لقمان:13) بیشک شرک یقیناً بہت بڑا گناہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر قسم کے شرک سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: من مات وھو یدعو من دون اللہ ندًّا دخل النار۔ (صحیح بخاری 4497) جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی شریک کو پکارتا (یعنی معبود بنا دیتا) ہے تو وہ جہنم میں جائے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے: لا تطرونی کما أطرت النصاری ابن مریم۔ (صحیح بخاری:3445) مجھے میرے درجے سے آگے مت بڑھاؤ جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے مرتبے سے آگے بڑھا دیا۔ یعنی مجھے ایسی تعظیم نہ دو جو عبادت کی حد تک چلی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان کسی انسان، شخصیت، مخلوق یا وطن کی ایسی تعریف یا وندنا نہیں کرسکتا جس سے الوہیت اور عبادت کا مفہوم نکلے۔

وندے ماترم نہ پڑھنے کی شرعی وجوہات

(1) وطن کو دیوی (Goddess) کہنا: اسلام میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو الوہیت کے مقام پر رکھنا جائز نہیں ہے۔ وندے ماترم میں وطن (بھارت) کو درگا اور دیوی کی صفات سے نوازا گیا ہے۔ یہ صریحاً مذہبی تصور ہے، محض شاعرانہ استعارات نہیں۔ (2) "وندے" کا مطلب عبادت یا بندگی کے قریب آجاتا ہے۔ بعض لغوی

شواہد کے مطابق وندنا کا تعلق مذہبی پوجا سے بھی ہے۔ اسلام میں عبادت و بندگی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ (3) کسی بھی مخلوق کو عبادت (پوجا) کی سطح پر لے جانا: اسلامی عقیدۂ توحید میں یہ عمل غیر قابلِ قبول ہے۔

اسی لیے مسلمانوں کے بڑے علمی مراکز اور اکابرین علماء نے واضح فتویٰ دیا ہے کہ وندے ماترم گیت میں کچھ بند (Stanzas) شرعی طور پر حرام ہیں، اور یہ گیت اسلامی عقائد کے لحاظ سے خالص مشرکانہ گیت ہے۔ ہندوستان میں تمام اسلامی مکاتب فکر وندے ماترم گیت گانے اور پڑھنے سے عدم اتفاق رکھتے ہیں۔

مسلمان وندے ماترم نہ پڑھ کر کن اصولوں پر چلتے ہیں؟

(1) توحید کا تحفظ: اسلام کا بنیادی عقیدہ لا الٰہ الا اللہ کی حفاظت۔ (2) مذہبی آزادی: آرٹیکل 25 کے مطابق اپنے مذہب پر عمل۔ (3) قومی اصولوں کی پاسداری: وندے ماترم پڑھنا آئینی طور پر لازمی نہیں، اس لیے اس سے اجتناب کوئی غیر قانونی عمل نہیں۔ (4) کسی کی دل آزاری نہ کرنا: مسلمان اختلاف ادب کے ساتھ کرتے ہیں، گیت کی بے حرمتی نہیں۔ یعنی اگر آپ کو پڑھنا ہے تو پڑھیے لیکن مسلمانوں پر لازم نہ کیجیے۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور مسلمان کے لیے مسلمان کا دین ہے۔

مسلمانوں کا موقف مخالفت نہیں، شرعی احتیاط ہے

مسلمان وندے ماترم کے کچھ جملوں کو حب الوطنی کے اعتبار سے قابلِ قبول تصور کر سکتے ہیں، جن میں بظاہر شرکیہ الفاظ نہیں اور تاویلات کی گنجائش ہے۔ مگر مجموعی اعتبار سے یہ گیت اسلامی عقائد سے متصادم ہے۔ اور اصل مسئلہ ان حصوں کا ہے جن میں دیوی وندنا یعنی شرک کا پہلو ہے۔ یعنی مسلمان وندے ماترم کے شرکیہ حصوں کو نہ پڑھنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور یہ فیصلہ نفرت نہیں، بلکہ اسلامی عقیدے کا تحفظ ہے۔

آئین اور قانون مسلمانوں کے اس حق کو مکمل تحفظ دیتے ہیں

(1) آرٹیکل 25 مذہبی آزادی کی ضمانت: آئین ہند کے آرٹیکل 25 کے مطابق ہر شہری کو اپنے مذہب پر عمل کرنے، اس کی تبلیغ کرنے اور اس پر چلنے کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ مسلمان اگر وندے ماترم کا وہ حصہ نہ پڑھیں جو ان کے مذہب سے ٹکراتا ہے، تو یہ عمل آئینی طور پر پوری طرح درست ہے۔

(2) سپریم کورٹ کا فیصلہ (2006ء، 2017ء): ہندوستانی عدالت عظمیٰ نے متعدد فیصلوں میں واضح کیا ہے کہ کسی پر وندے ماترم پڑھنا لازمی نہیں کیا جا سکتا۔ کسی طالب علم یا استاذ یا گروہ کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ قومی ترانے (جن گن من) کے برعکس قومی گیت آئین میں لازمی ضرورت نہیں ہے۔ (سدرشن سنگھ بمقابلہ اسٹیٹ

2006۔ فیصلے کے اقتباسات میں یہی اصول بیان ہوئے)

(3) دستور ساز اسمبلی کی بحث (1948ء): قومی ترانہ منتخب کرتے وقت دستور ساز اسمبلی نے واضح طور پر کہا کہ وندے ماترم کے مذہبی رنگ کی وجہ سے اسے قومی ترانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اسے صرف قومی گیت کا درجہ دیا جائے گا۔ کسی سماج پر اسے لازمی نہیں کیا جائے گا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آئین اور آئینی ادارے مسلمانوں کے اس حق کے تحفظ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

حب الوطنی اور قومی وفاداری پر مسلمانوں کا نظریہ

اسلام میں وطن سے محبت ایک فطری اور دینی جذبہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ چھوڑتے وقت مکہ کو مخاطب کرکے فرمایا: ما أطيبَك من بلدٍ وأحبّكِ إليّ ولولا أن قومي أخرجوني منك ما سكنتُ غيرَكِ۔ (سنن ترمذی:3925) (اے مکہ!) تو کتنا پاکیزہ شہر ہے اور تو کتنا مجھے محبوب ہے، اور اگر میری قوم نے مجھے تجھ سے نہ نکالا ہوتا تو میں تیرے علاوہ کہیں اور نہ رہتا۔ یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔ ہندوستان مسلمانوں کا بھی وطن ہے، مسلمان ہندوستان کو اپنا ملک سمجھتے ہیں، اس کے وفادار ہیں، اس کے آئین کو قبول کرتے ہیں اور اس کی ترقی میں برابر شریک ہیں۔ لیکن وطن سے محبت عبادت کے درجے کو نہیں پہونچ سکتی۔ وطن سے محبت اور وطن کی عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہی وہ بنیادی حد ہے جسے شریعت کھینچتی ہے۔

مسلمانوں کا مثبت اور مضبوط موقف

مسلمان قومی ترانہ "جن گن من" احترام سے پڑھتے ہیں۔ ترنگا سلام کے ساتھ لہراتے ہیں۔ ملکی ترقی کے ہر شعبے میں بھرپور حصہ لیتے ہیں۔ دشمنوں کے خلاف سرحدوں کی حفاظت میں آگے رہتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ آزادی کی جنگ میں لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو اپنا مذہب بھی عزیز ہے، وہ مذہبی معاملات میں کوئی سمجھوتا نہیں کرتے ہیں۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں: بدقسمتی سے اس وقت ہندوستان پر بتدریج فرقہ پرستی کا غلبہ ہوتا جارہا ہے، فرقہ پرست سیاسی جماعتیں برسر اقتدار آرہی ہیں اور انہوں نے بعض ریاستوں میں ایک ایسے ترانہ کو پڑھنے کا لزوم عائد کردیا ہے جو مشرکانہ تصور پر مبنی ہے، میری مراد وندے ماترم سے ہے، یہ سنسکرت زبان کا فقرہ ہے اور اس کے معنی یہ ہے

کہ میں اپنے مادرِ وطن کا پرستار ہوں اور اس کی عبادت کرتا ہوں، حب الوطنی بری چیز نہیں اور اگر انصاف کے دائرہ میں ہو تو اسلام اسے پسند کرتا ہے، یہ ایک فطری جذبہ ہے اور خدا ہی کی طرف سے ہر انسان کے اندر ودیعت ہے، لیکن اسلام میں خدا کے سوا کسی کی پرستش نہیں کی جاسکتی اور بندگی صرف خدا ہی کے لیے ہے، اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے اس طرح کے اشعار کا پڑھنا اور ان کو قبول کرنا قطعاً جائز نہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ برادرانِ وطن کو سمجھایا جائے کہ مسلمانوں کے لیے یہ محض ایک قومی اور ملکی مسئلہ نہیں اور نہ ہم اس کو انا اور وقار کا مسئلہ بنا رہے ہیں، بلکہ اس کی جڑیں ایمان وعقیدہ میں پیوست ہیں اور کسی مسلمان کو ایسا کہنے پر مجبور کرنا گویا ان کو اس بات پر مجبور کرنا ہے کہ وہ اپنے مذہب وعقیدہ سے دست کش ہوجائیں اور یہ ظاہر ہے کہ ملک کا کوئی بھی سنجیدہ اور انصاف پسند شہری جو ملک کے رنگا رنگ مذہبی اور تہذیبی کردار کو باقی رکھنا چاہتا ہو ایسی کوشش کو ناپسندیدگی ہی کی نظر سے دیکھے گا۔ (جدید فقہی مسائل 1 / 314)

چند غلط فہمیاں اور ان کا جواب

یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان وندے ماترم نہیں پڑھتے، اس لیے وہ ملک کے وفادار نہیں۔ جواب یہ ہے کہ وفاداری کا تعلق آئین کی پاسداری، قانون کی فرماں برداری، ملک کے لیے قربانی اور کردار سے ہے، نہ کہ کسی مخصوص گیت سے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وندے ماترم پڑھنے سے شرک نہیں ہوتا، یہ صرف شاعری ہے۔ جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے کسی بھی کلام میں دیوی کی وندنا عباداتی نوعیت رکھتی ہے، چاہے اسے شاعر نے کسی دوسری نیت سے کہا ہو۔ نیز ہر مذہب کا اپنا مقدس دائرہ ہوتا ہے جس کی خلاف ورزی کسی پر لازم نہیں کی جاسکتی۔ ایک بہت بڑا الزام یہ بھی ہے کہ جو شخص وندے ماترم نہ پڑھے وہ غدار ہے۔ یہ نظریہ آئین اور قانون کے خلاف ہے۔ آئین اور عدالت عظمیٰ دونوں نے نا پڑھنے کو قانونی اور جائز قرار دیا ہے۔

الحاصل مسلمانوں کا وندے ماترم نہ پڑھنا نہ تو بغاوت ہے، نہ نفرت، نہ شدت پسندی۔ بلکہ یہ صرف ایک مذہبی اصول کی پاسداری ہے جسے آئینِ ہند بھی تسلیم کرتا ہے اور پورے انصاف کے ساتھ تحفظ دیتا ہے۔ اسلام مسلمان کو انسانیت، وطن اور سماج کے ساتھ عدل ومحبت کا راستہ سکھاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی عقیدۂ توحید کی حفاظت کو مقدم رکھتا ہے۔ اسی لیے مسلمان احترام کے ساتھ وندے ماترم کے شرکیہ حصے سے اجتناب کرتے ہیں، جبکہ حب الوطنی کے جذبے میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ یہی شریعت کا حکم ہے، یہی آئین کی ضمانت اور یہی ہندوستانی تہذیب کی روح ہے۔

افاداتِ اکابر

اشرف المجالس

ترتیب وپیش کش: مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی*

مخدومنا ومحبوبنا حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی ہر جمعہ بعد نمازِ عصر ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں حکیم الامت مجدِدُ الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے "منتخب ملفوظات" (مرتبہ حضرت مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ) کی کچھ توضیح وتشریح کے ساتھ تعلیم فرماتے ہیں، اُن ملفوظات کو قارئینِ اشرف الجرائد وعامۃ المسلمین کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔

از مرتب

(۵۲) دوسروں پر ڈپنڈ نہ رہنا بہت کام آیا

فرمایا: مجھے دوسروں پر ڈپنڈ نہ رہنا جیل میں بہت کام آیا، کچھ دشواری ضرور ہوئی اسباب کی کمی کی وجہ سے مگر یہ کمی زیادہ مشقت کا سبب نہ بنی، اگر بدن درد ہوتا تو اٹھ کے بیٹھ جاتا، جہاں تک ہاتھ جسم کے حصہ تک جاتے خود ہی دبا لیتا، اپنے گھٹنے خود ہی سہلا لیتا، اپنی کمر کو خود ہی صحیح کر لیتا، اور سو جاتا، وہاں کوئی خادم تو نہیں تھا، اگر میں خادموں کا محتاج رہتا تو جیل میں کیسے رہ پاتا؟ وہاں بیت الخلاء بہت گندہ تھا میں نے دھو کر صاف کر لیا، دیواریں پاک کر لیں، اس لیے کہ وہ تو کھڑے کھڑے موتنے والے لوگ ہیں، اس لئے سب پاک کر لیا۔ پھر ایک دن لیٹا تو دیکھا کہ فیان میں گرد بہت نظر آ رہی ہے، اور چھت اتنی اونچی ہے کہ کوئی وہاں تک پہنچ نہیں سکتا، لیکن ایک مرتبہ الیکٹریشن کچھ کام کرنے کے لئے بڑی سیڑھی لے کے آیا تھا تو اس سے ریکویسٹ کر کے سیڑھی کی مدد سے پورا فیان صاف کر دیا، اس لئے کہ جب لیٹتے آنکھ پڑتی تو بے چینی شروع ہو جاتی تھی، کمرے کے سامنے جو دروازہ ہوتا ہے وہ جالی کا اور سلاخوں کا دروازہ ہوتا ہے، پتہ نہیں کب سے سلاخیں گندی پڑی تھیں، ایک دن میں نے کپڑا بھگو کر ان سلاخوں کو پوچھ پوچھ کے صاف کر دیا، کیوں کہ گندگی نظر آ رہی تھی، گندگی نظر آنے سے ٹینشن ہو رہا تھا، میں آپ لوگوں کو یہ سب باتیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے آدمی کو کسی اور آدمی کا محتاج نہیں ہو جانا چاہیے، خود مکتفی ہونا چاہئے، اپنے کام ممکن حد تک خود کر لینا چاہیئے، جیل میں کچھ لوگ بیمار بھی

تھے،تو ڈاکٹر کی سفارش سے ان کو فروٹ ملتا تھا، اتفاقاً میرا پڑوسی بیمار تھا، اس بیمار کی عادت بیڑی پینے کی تھی، وہ بیڑی کے لیے تڑپتا رہتا تھا، فروٹ سے اس کو کوئی مطلب نہیں تھا، وہ خوشامد کر کے فروٹ دوسروں کو بیچ کے ان پیسوں سے بیڑی خرید لیا کرتا تھا، ایک دن مجھ سے زبردستی کرنے لگا آپ فروٹ لے لیجئے، بیچنے خریدنے کے لیے جیل میں رقم نہیں ہوتی تھی، چھپے ہوئے ٹوکن ہوتے ہیں۔ہم نے سوچا کہ ہم کو فروٹ کا تقاضا ہے اور اس کو ضرورت بیڑیوں کی ہے،تو ہم پیسے دے کر اس سے لے لیتے تھے،مگر مسئلہ یہ ہوا کہ کیلا تو کھالیں گے،سیب کیسے کھائیں گے؟ سیب کو کاٹنے کے لیے کوئی چھری چاہیئے، وہاں کوئی میٹل اندر آ نہیں سکتا، کوئی چھری نہیں آ سکتی، تو میں نے سوچا کہ کیا کیا جائے؟ کاٹنے کے لئے دانت اتنے طاقتور نہیں ہیں اور چھری بھی نہیں ہے، ایک دن ایک قیدی نے عقیدت میں آئس کریم لا کر دیا، وہ آئس کریم جس میں لکڑی کی کھپچی ہوتی ہے، آئس کریم کھا لینے کے بعد میں نے لکڑی پھینک دی، پھر خیال ہوا کہ اس لکڑی سے کیا کوئی کام لیا جا سکتا ہے؟ اس سے کچھ کام لینا چاہیے، پھر اس کو اُٹھالیا، تھوڑی سی باریک ریتی لے کر اس کی ایک سائیڈ کو رگڑ کے دھاردار بنا دیا، چلو کام ہو گیا، ماشاءاللہ، سیب کاٹنے کا آلہ بن گیا، کمرے میں لکڑی پڑی ہو گی تو جیلر بھی نہیں پوچھے گا، کوئی اور چیز ہوتی تو پوچھتا ہے کہ یہ کیسے آئی ہے؟ الحمدللہ! اللہ نے بہت سبق دیے، انسان محتاج نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنی ہر ضرورت پوری کر سکتا ہے، ہر ضرورت کے لیے کوئی راستہ بنا سکتا ہے، بہرحال ہم اپنے گھر کے اندر اور باہر بھی اس کا اہتمام کر لیں کہ اپنے کام کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالیں گے،تو دوسرے کو بھی ہم بآسانی کہہ سکتے ہیں کہ آپ بھی اپنا کام وقت پر خود ہی کر لیا کیجئے۔ یہ باتیں اپنی تعریف کے لئے نہیں آپ لوگوں کی عبرت کے لئے بتا رہا ہوں۔

(۵۲) حقوقِ جوار کی اہمیت

ارشاد فرمایا:۔ جو لوگ احادیثِ شریفہ پڑھتے پڑھاتے ہیں ان کو اندازہ ہے کہ احادیث میں پڑوسیوں کے بارے میں کتنی ہدایات وتاکیدات آئی ہیں، حقوقِ جوار میں کوتاہی کے سلسلے میں جس قدر سخت وعیدیں آئی ہیں اُن کے ہوتے ہوئے کوئی بھی اس معاملے میں کسی قسم کا تساہل برت نہیں سکتا، ہاں! اگر علم ہی نہیں ہے، یا عمل کا جذبہ نہیں ہے تو پھر اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

افاداتِ اکابر

ارشاد السالکین

”خانقاہِ سعیدیہ“ میں ہر شمسی مہینے کے دوسرے اتوار کو صبح ۹ر بجے تا شب ۹ر بجے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے، اس میں جنوبی ہند کی تمام ہی ریاستوں سے تقریباً تین سو سالکین شرکت کرتے ہیں، صبح ۱۰ تا ۱۲ر بجے کی نشست میں شرکاء کے پوچھے گئے سوالات کے جواب مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی خود دیتے ہیں، جو بہت ہی نافع ہوتے ہیں، علماء وعوام سب ہی اس کے قائل ہیں، اس لئے مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہٗ استاذ ادارۂ ہذا و مجازِ حضرت والا نے اِن کو جمع کر کے قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا ہے۔ از مرتب

دعوت وتبلیغ کے کام میں لگنا

سوال (۸۰): میں امامت وتدریس کے ساتھ دعوت وتبلیغ کی محنت میں وقت نکالا کرتا تھا؛ مگر کچھ ماہ قبل دعوت کے ایک ساتھی نے دار العلوم دیوبند کی برائی اور توہین کی، اس لیے اب میں اس میں وقت نہیں دے رہا ہوں، کیا میرا یہ عمل صحیح ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: ایک آدمی نے ایسا کیا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ سب ایسا کرتے ہوں، کام کے سلسلے میں تو ہم کہتے ہیں کہ کام سے نفع ہو رہا ہے تو کرو، کسی کی بداخلاقی کی وجہ سے کام مت چھوڑو؛ لیکن اس وقت جہاں تک ہمارا تجربہ ہے اب کہ کام سے نفع کم اور نقصان زیادہ ہو رہا ہے، اس دور میں یہ ہمارا شخصی موقف ہے، اور اس کی ہم نے بہت سے لوگوں سے تحقیق کر لی ہے، پورے ملک کے علماء کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو اس معاملہ میں ہمارے ساتھ ہے، اس حوالے سے پوچھیں تو ہم کہیں گے کہ آپ جب عالم ہیں تو اس کے بجائے کسی اور دینی محنت میں لگ جاؤ، اپنی دنیا بناتے رہو، اور مکتب چلاؤ، بچوں کے ایمان کی حفاظت کرو، بستی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری رکھو؛ لیکن خاص اسی کام سے جڑے رہنا اپنا وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں، باقی ہم کسی کو منع نہیں کرتے ہیں۔

حرمین شریفین میں عبادات سے محرومی کی وجہ

سوال (۸۱): گزشتہ ماہ عمرہ کے سفر پر جانا ہوا، جاتے وقت دل میں عبادت کرنے کا ایک جذبہ تھا، لیکن وہاں جانے کے بعد نمازوں میں لاپرواہی رہی، ساری نمازیں قضا کردیں، باقی عبادات میں بھی لاپرواہی کرتا رہا، اس کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب:- اس کی وجہ آپ کو اپنے آپ سے خود پوچھنا چاہیے؛ اس لیے کہ جب یہاں سے اچھے ارادے کر کے گئے تھے تو وہاں جاکر اچھے کاموں میں مشغول رہنا چاہیے تھا، آدمی ماحول سے متاثر ہوتا ہے؛ اور ماحول ہر جگہ دونوں قسم کے ہوتے ہیں؛ اچھے بھی برے بھی۔ یہ بات بھی ہے کہ آج کل حرمین شریفین میں لوگ لغو ولایعنی کے کام بہت کرتے ہیں، اپنے آپ کو بے فکری سے نکالنے کے لیے ایسا ماحول اور ایسے ساتھی بنالینا چاہیے جو فکرمند ہوں، کیوں کہ آج کل وہاں غافلین کی بھی بڑی تعداد ہے، آپ وجہ پوچھ رہے ہیں کہ کیا ہوسکتی ہے تو اس کی وجہ بس آپ کی لاپرواہی اور عدمِ احساس ہے۔

اعمال میں استقامت نہیں رہتی۔

سوال (۸۲): احقر کی بیماری یہ ہے کہ طاعات پر استقامت نہیں رہتی، برائے کرم علاج تجویز فرمائیں۔

جواب:- استقامت کے بھی ہم ہی مامور ہیں، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں کو اس کا حکم دیا ہے؛ ایک صحابی نے عرض کیا: اوصنی یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: قل آمنت باللہ ثم استقم استقامت رہتی نہیں، ہم کو رکھنا پڑتا ہے، تو اس کے لئے ارادہ کو مضبوط کرنا، اس کے برخلاف تقاضے آجائیں تو مقابلہ کرنا کہ کسی بھی وجہ سے یہ عمل نہیں چھوٹے، بہرحال پابندی واستقامت کے لئے اپنا نظام العمل بناکر بلاضرورتِ شدیدہ کے اس کے خلاف نہ کریں۔

غیر اسلامی ماحول سے متاثر ہونا۔

سوال (۸۳): غیر اسلامی ماحول میں جانا ہوتا ہے تو احقر اس کے حوالے ہوجاتا ہے، یعنی ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت نہیں رہتی ہے، علاج تجویز فرمائیں۔

جواب:- ماحول تو بے شک اثر انداز ہوتا ہے، اگر شرکت نہ کرنے سے کسی کی حق تلفی نہ ہوتی ہے تو اولاً تو ایسے ماحولوں میں جانا ہی نہیں چاہیے، اور اگر کسی ضرورت سے جانا ہی پڑے تو طے کر کے جاؤ کہ ہمیں ماحول سے متاثر نہیں ہونا ہے، اگر آدمی کسی چیز کو طے کرلیتا ہے تو اسی کا نام عزم ہے، اور جب عزم پختہ ہو تو اس پر عمل بہ آسانی ہوجاتا ہے۔

معمولات کا دارومدار جی کے چاہنے اور نہ چاہنے پر نہ ہو۔

سوال (۸۴): پہلے ذکراللہ کا بھرپور اہتمام رہتا تھا، اور روزانہ دو پاروں کی تلاوت بھی کرتا تھا، گزشتہ دو ہفتوں سے تلاوت کو جی بالکل نہیں چاہتا، پریشان ہوں، رہبری کا طالب ہوں۔

جواب: -اپنے معمولات کو جی کے چاہنے نہ چاہنے پر ڈیپینڈ نہ رکھو، معمول کا وقت ہے تو معمول کو پورا کر لیا کرو، اب اگر جی چاہتا ہے تو آسانی سے ہو جائے گا، اور اگر جی نہیں چاہ رہا ہے تو تھوڑا مشکل ہوگا، گرانی ہوگی تو ہونے دو؛ مگر طئے کرو کہ معمول تو ہو کے رہے گا، اور جس عبادت میں جی لگا ہے وہ عبادت بھی قبول ہوگی، اور جس عبادت میں جی نہیں لگا ہے وہ عبادت نہ صرف قبول ہوگی؛ بلکہ دوگنا اجر کا سبب ہوگی، اصل میں کبھی طبیعت میں انقباض ہوتا ہے، کبھی بشاشت ہوتی ہے، اس وجہ سے ایسی کیفیت ہو جاتی ہے، یہ مان کے چلنا چاہئے کہ مواجید و کیفیات مطلوب نہیں ہیں کام اور کام کی پابندی مطلوب ہے۔

وساوس کے ہجوم کے باوجود معمولات کا اہتمام

سوال (۸۵): معمولات کا اہتمام ہو رہا ہے؛ لیکن وساوس بہت زیادہ ہو رہے ہیں، اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔

جواب: بچنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا وساوس کے باوجود بھی معمولات پورے نہیں ہو گئے؟ کیا وساوس کے ساتھ عبادات قبول نہیں ہوتیں؟ اگر قبول نہ ہوتیں تو اس کی فکر کی ضرورت تھی، جب وساوس کے باوجود تلاوت، ذکراللہ اور ساری عبادتیں قبول ہوتی ہیں تو پھر اب وساوس کی فکر ہی کیا ہے؟ اس کی فکر عبث ہے، وساوس نہ آنے کا ارادہ چھوڑ دینا ہی وساوس کا علاج ہے، اگر وساوس آتے ہیں تو اُن کے ساتھ ہی عبادت کرتے رہو۔

حاسدوں کے حسد سے غم ہونا

سوال (۸۶): حاسدین کی غیبتوں اور تکلیفوں سے پریشان ہوں، جو باتیں کسی طرح مجھ تک پہنچ جاتی ہیں، غیبت کے اپنے تک پہنچنے کے بہت سے راستے بند کیا ہوں؛ پھر بھی پہنچ جاتی ہیں، اس کا علاج تجویز فرمائیں۔

جواب: لوگوں کو کچھ بھی کرنے دو، اس سے کیا تکلیف ہے؟ اس سے کون بچا؟ حسد ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے، حاسد ہمارے قبضے میں نہیں ہے، اس لیے اس کے پیچھے پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں؛ البتہ حاسد پر رحم کھانے، اور دعائے خیر کرتے رہنے کی ضرورت ہے کہ وہ بیچارہ خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے ٹکر لے کر اپنی دنیا و آخرت غارت کر رہا ہے۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

پنج تن کا عقیدہ رکھنا

سوال: پنج تن کا عقیدہ کیا ہے؟ اور اس کا اعتقاد رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ایسا عقیدہ نہ رکھے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: روافض (شیعہ اثنا عشریہ) پنج تن پاک سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ذاتِ مراد لیتے ہیں، اور ان مقدس حضرات کے بارے میں گمراہ کن عقائد رکھتے ہیں، مثلاً یہ کہ مشکل اور پریشانی کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر اہلِ بیت کے نام پر مدد کے لیے پکارنا اور ان کو مشکل کشا سمجھنا وغیرہ، اور محبتِ اہلِ بیت کی آڑ میں دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بے تعلقی ظاہر کرنا وغیرہ۔ تو ان وجوہات کی وجہ سے پنج تن پاک کا عقیدہ سراسر گمراہ کن اور کھلی ہوئی ضلالت ہے اور روافض کا اہم شعار ہے، کسی مؤمن کے لیے ایسا عقیدہ رکھنے کی ہرگز اجازت نہیں۔

(نخبۃ المسائل، ۱/ ۵۷)

موبائل کی فحش فلموں والی میموری میں قرآن ڈاؤن لوڈ کرنا

سوال: ملٹی میڈیا فون میں اگر فحش مواد میموری میں محفوظ ہو تو اسی موبائل میں قرآنِ کریم، ڈاؤن لوڈ کرنا یا دیگر دینی کتابیں محفوظ کر کے فائدہ اٹھانا کیسا ہے؟

جواب: ایسے موبائل میں قرآنِ کریم یا دینی کتابیں رکھنا ممنوع نہیں ہے؛ اگرچہ اس کی میموری میں فواحش ومحرمات بھی موجود ہوں؛ اس لئے کہ موبائل کے اندرونی نظام کے اعتبار سے میموری میں محفوظ مواد، خلط ملط نہیں ہوتا۔ بریں بنا یہ نہیں کہا جائے گا کہ قرآنِ کریم کے ساتھ حقیقتاً فحش چیزیں خلط ملط ہوگئی ہیں؛ البتہ عرفاً یہ بات یقیناً ادب کے خلاف اور قرآنِ کریم کی حرمت وعظمت کے منافی ہے کہ جس آلے سے قرآن پڑھا اور سنا

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

جائے، اُسی آلے کو محرمات میں استعمال کیا جائے؛ اس لئے اس سے احتراز کرنا اور موبائل کو ہر طرح کے محرمات سے خالی کر دینا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔ (نخبۃ المسائل، ۱/۱۰۷)

مَنْ زَارَ الْعُلَمَاءَ فَقَدْ زَارَنِي الخ کی تحقیق

سوال: درج ذیل روایت کی تحقیق مطلوب ہے: "مَنْ زَارَ الْعُلَمَاءَ فَقَدْ زَارَنِي وَمَنْ صَافَحَ الْعُلَمَاءَ فَقَدْ صَافَحَنِي" (جس نے علماء کی زیارت کی، تو اس نے میری زیارت کی، اور جس نے علماء سے مصافحہ کیا تو اس نے مجھ سے مصافحہ کیا) یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: مذکورہ روایت سنداً موضوع ہے، ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے موضوعات کبریٰ میں لکھا ہے کہ اس کی سند میں حفص نامی راوی کذاب ہے۔ نیز دیگر کتابوں میں بھی اس روایت کے موضوع ہونے کی صراحت ہے؛ لہٰذا اس روایت کا بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ (نخبۃ المسائل، ۱/۱۳۰)

مَنْ زَنٰی زُنِیَ بِاَهْلِهٖ کی تحقیق

سوال: ہم نے بہت سے بیانات میں یہ بات سنی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ: جو شخص زنا میں مبتلا ہوگا اس کے بدلے میں اس کے گھر کی کسی خاتون کے ساتھ بھی عملِ بد ضرور پیش آئے گا، اور اس بات کو لوگ بڑے زور وشور سے بیان کرتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ اس روایت کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کو بیان کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ مجمعِ عام میں موضوع وضعیف حدیث مطلقاً بیان کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: مَنْ زَنٰی زُنِیَ بِاَهْلِهٖ (یعنی جو شخص زنا کرے تو اس کے بدلے میں اس کی رشتہ دار خواتین کے ساتھ بدکاری کی جائے گی) اس جیسے مضامین کی سبھی روایات روایتاً ودرایتاً ہر اعتبار سے منکر اور موضوع ہیں؛ کیوں کہ ان کی کوئی بھی سند کذاب یا مجہول راویوں سے خالی نہیں۔ نیز یہ قانونِ شریعت لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰی (یعنی کسی جرم کا مؤاخذہ مجرم کے علاوہ سے نہیں کیا جائے گا) کے بھی صراحتاً خلاف ہے۔ اس لئے ایسی من گھڑت روایتوں کو بیان کرنا کسی بھی شخص کے لئے جائز نہیں ہے، ان کے بجائے صحیح روایات ہی بیان کرنی چاہئے۔ البتہ ضعیف روایات جو موضوع کے درجے تک نہ پہنچی ہوں انہیں ترغیب وترہیب کے طور پر بیان کرنے کی گنجائش ہے۔ (نخبۃ المسائل، ۱/۱۳۱)

